

ماہنامہ معارفِ قاسم (دہلی)

جدید

Jamiatul Qasim Darul Uloom-e- Islamia, Gujarat Sihor (INDIA)

مُدیرِ اعلیٰ : مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

₹ 15/-

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

معارف قاسم جدید دہلی

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر:۱۱ | جولائی - اگست ۲۰۱۲ء | شمارہ نمبر:۲۲

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت مولانا محمد ابراہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت مولانا سید نظام الدین، پٹنہ
- حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری، میرٹھ
- حضرت مولانا مفتی عبداللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

مدیر: ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

مجلس ادارت

کمپوز وڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

سالانہ تعاون

200 روپے

رابطہ

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

حسن ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	اداریہ	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	3
۲	افتتاحیہ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	5
۳	رمضان المبارک نیکیوں اور رحمتوں کا موسم بہار	ادارہ	18
۴	احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	21
۵	بیس رکعات تراویح جمہور امت کے نزدیک سنت	مولانا محمد شفیع قاسمی	26
۶	رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کے تقاضے	مظفر حسین رحمانی	31
۷	عید الفطر باہمی اخوت ومحبت کا تہوار	ولی الدین ولی ندوی	33
۸	حفظ قرآن کا اصل مقصد	یاور رحمٰن	35
۹	مکی سورتوں میں امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر	انور جمال قاسمی مظفر پوری	39
۱۰	دینی مدارس میں تدریس حدیث	مولانا اشہد رفیق ندوی	47
۱۱	حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ	مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری	51
۱۲	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	59
۱۳	دین میں اضافہ اور جدید ایجادات ووسائل	محمد انعام الحق قاسمی	64
۱۴	خراج عقیدت بہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم	تھامس کارلائل/ ڈاکٹر شبیر احمد بن عبد الرشید	67
۱۵	رپورٹ مسابقۃ القرآن الکریم وتعلیمی بیداری کنونشن	ابو حمنہ شہاب	90
۱۶	...جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا میں ساتواں کل ہند.....	// //	93
۱۷	تبصرہ (نقوش بسم اللہ)	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	96
	نعت نبوی ﷺ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	99
۱۸	معارف کی ڈاک	قارئین کے خطوط	100

اداریہ

بات سچ ہے تو عمل کرنے کا عہد کریں!

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

سب سے پہلے تمام دینی بھائیوں کو رمضان کریم کی دلی مبارک باد۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس ماہ مقدس کے برکات و حسنات کی قدر کی توفیق عنایت کرے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔

امت خیر ہونے کے سبب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس موقع پر اپنے ان بھائیوں کی رہائی کیلئے باری تعالی سے دعا کریں جو حکومت کی کی گندی سازشوں کا شکار ہو کر جیل کی سلاخوں میں ناکردہ گناہوں کی سزا کاٹ رہے ہیں اور ان کے اہل خانہ مختلف پریشانیوں سے دوچار ہیں،نیکیوں اور رحمتوں کے اس ماہ میں خدا ہماری دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت سے نوازے گا اور ان مظلومین و بے قصوروں کی رہائی کا کوئی راستہ نکال دے گا۔

قابل ذکر ہے کہ ۲۰۱۱ میں مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی گرفتاری کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ۲۰۱۲ میں بھی بند نہیں ہوا، بلکہ اس میں مزید شدت آتی گئی،حکومتی مشینری ،پولیس اور خفیہ ایجنسیوں نے اپنے آقا امریکہ و اسرائیل کے اشارہ پر اپنے دائرہ کو بڑھاتے ہوئے پہلے مہاراشٹر، پھر اتر پردیش اور اب صوبہ بہار کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔اس صہیونی سازش کے تحت گزشتہ چند ماہ میں بہار کے مختلف اضلاع سے اب تک درجنوں اعلی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کر کے انہیں جیل میں قید کر دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں دہشت گردی کے معاملات میں حالیہ مہینوں میں مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں اور پراسرار گمشدگیوں کے بارے میں حقوق انسانی کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ ''مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے پیچھے ایک منظّم سوچ کارفرما ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر پست کرنا ہے''۔

دہشت گردی کے الزام میں گرفتار کیے گئے بہار کے قتیل صدیقی کو پونے کی جیل میں قتل کیے جانے اور سعودی عرب میں انجینئر فصیح محمود کی مبینہ طور پر خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں گرفتاری کی خبروں کے بعد حقوق انسانی کی تشویش فطری ہے۔

اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ بہار ہو، یوپی ہو یا مہاراشٹر، کسی بھی جگہ مسلمانوں کو آتنک وادی کہہ کر گرفتار کیا جاسکتا ہے اور آپ کی کوئی جوابدہی نہیں ہوگی حالانکہ کئی برسوں کے بعد وہ بے قصور رہا ہو جاتے ہیں لیکن اس وقت تک ان کی زندگی برباد ہو چکی ہوتی ہے اور حکومت نہ تو انہیں کوئی معاوضہ دیتی ہے اور نہ ہی بلاوجہ گرفتار کرنے والے افسران کو سزا دی جاتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے ان اقدام کے خلاف ملی جماعتوں،سماجی کارکنوں اور سیکولر ذہن کے حامل دانشوران کی جانب سے مسلسل احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں مگر حکومت کان میں انگلی دیے بیٹھی ہے۔بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں مسلمان ایک طرف دہشت گردی تو دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات کی مار جھیل رہے ہیں،یعنی ہر سطح سے مسلمانوں کو

کمزور اور انہیں ستانے کا سلسلہ نہ صرف جاری ہے بلکہ دراز ہوتا جارہا ہے۔ مسلم قوم کے انتشار اور مسلکی اختلافات میں شدت اختیار کرنے کا کامل فائدہ یہ مشینریاں اٹھارہی ہیں کیوں کہ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ جب تک یہ قوم ان بکھیروں میں الجھی رہے گی ان کا کچھ نہیں بگڑ سکتا، اور یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس وقت قوم مسلم عالمی سطح پر نہ صرف سوئی ہوئی ہے بلکہ پوری طرح سے خواب غفلت کا شکار ہے، اور فی الحال اس کے جاگنے کی دور تک کوئی سبیل نظر نہیں آرہی ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا تو دور اسے اپنی زندگی سے یکسر نکال دیا ہے، ایسی صورت میں غیبی امداد کی توقع رکھنا کار عبث ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے اپنی زندگی میں انقلاب لائیں، فرمان باری تعالی اور ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق پورے معاشرہ شریعت مطہرہ کے مطابق ڈھالیں، اگر ہمارے معاشرہ میں یہ انقلاب برپا ہوگیا اور قوم مسلم پھر سے جاگ گئی تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ملک اور موساد جیسی خطرناک یہودی خفیہ ایجنسی بھی اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے سو بار سوچے گی۔

مگر اس وقت جو حالات ہیں اس کے تناظر میں یہ توقع رکھنا کہ امت مسلمہ میں بیداری آئے گی اور ان میں مثالی اتحاد و اتفاق قائم ہوجائے گا دور کی کوڑی ہے، ویسے قوم کے اتحاد و اتفاق کی فکر رکھنے والے افراد و اشخاص اپنی کوششوں کو جاری رکھیں، بقول شخصِ ''بات سچ ہے تو عمل بھی اسی کے مطابق ہو صرف زبان ہلا کر ہاں ہاں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا''۔

البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندستانی حکومت اور اس کی مشینریاں جس ڈگر پر چل رہی ہیں وہ نہ صرف ملک کی سالمیت بلکہ جمہوریت کیلئے بھی خطرہ کی گھنٹی ہے، چونکہ اس کا جو طریقہ کار اور ٹارگیٹ مشن ہے وہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس صہیونی اور نصرانی فکر نے جس ملک اور خطہ میں قدم رکھا وہاں کے امن وسکون کو غارت کردیا۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے حکمراں اسی سوچ کو اپنا آئڈیل مانتے ہوئے ایک پرخطر راہ پر گامزن ہیں، جو ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کیلئے نیک فال نہیں ہے۔

قارئین کرام! معارف قاسم جدید کی یہ انفرادی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے روز اول سے دینی، دعوتی، علمی اور اصلاحی مضامین کو ترجیح دینے کے ساتھ ساتھ ملی مسائل پر بھی قوم کی رہنمائی کے فریضہ کو بخوبی انجام دیا ہے، ہمارا یہ شمارہ بھی حسب سابق ماہ مقدس کی مناسبت سے گراں قدر مضامین کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اس شمارہ کے 'افتتاحیہ میں حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی کے اس تحقیقی مقالے کو پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے جامعۃ القرأت کفلیتہ گجرات کے دوروزہ قومی سیمنار کیلئے فن تجوید و قرأت کے موضوع پر تحریر کیا تھا۔ بزرگان دین کے کالم کے تحت حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری دامت برکاتہم کے قلم سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی حیات وخدمات پر بہت ہی قیمتی اور قابل رشک تحریر آپ پڑھیں گے۔ معارف قاسم کا یہ شمارہ کیسا لگا ضرور بتائیں اور اپنے قیمتی مشورہ سے ہمیں نوازیں، نیز برکت، بخشش اور نجات کے اس ماہ میں راقم الحروف، جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، اس کے طلبہ، اساتذہ اور مخلصین ومعاونین کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔

❁ ❁ ❁

افتتاحیہ

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

فن تجوید و قراءت کے فروغ میں

گجرات کے دینی مدارس کا کردار

حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی کا یہ مقالہ (فن تجوید وقراءت کے فروغ میں گجرات کے دینی مدارس کا کردار) جامعۃ القرأت کفلیتہ گجرات میں ۱۱/۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۴/۵/اپریل ۲۰۱۲ء میں منعقدہ دوروزہ تاریخ ساز سیمینار بعنوان ''گجرات میں فن تجوید و قرأت کی خدمات'' کے موقع پر پیش کیا گیا تھا، سیمینار میں مکمل مقالہ پڑھنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہوتا ہے، اس لئے قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے اس بار معارف کے ''افتتاحیہ'' میں من وعن مکمل مقالہ شائع کیا جارہا ہے۔ (ایڈیٹر)

الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علی آلہ و صحبہ و علی من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین،اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ،بسم اللہ الرحمن الرحیم ،اوزد علیہ ورتل القران تر تیلا (سورۃ المزمل آیت ۴)!أما بعد:

اس اٹوٹ حقیقت سے کسی بھی عوام خواص کو انکار کی گنجائش نہیں کہ علومِ دینیہ کی تعلیم وتدریس اور ترویج واشاعت میں مدارسِ دینیہ کا کردار انتہائی نمایاں اور درخشاں رہا ہے۔ دین اسلام جس کی حفاظت کی ذمہ داری باری تعالیٰ نے خود اٹھائی ہے، اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک انتقال انہیں مدارس کے وجود اور پیہم کوششوں سے ممکن ہوا۔ آج اگر اسلام کا چارسو پھیلاؤ ہے تو اس میں ان ہی دینی اداروں کا خاصا کردار شامل ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی اور اس کے فروغ میں اہلیان مدارس اسلامیہ نے محدود وسائل اور بے سروسامانی کے باوجود کبھی تساہلی اور کوتاہی سے کام نہیں لیا، بلکہ اس سلسلہ میں ان کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔ حالانکہ علماء کی اس جماعت کو ہر زمانے میں دشمنان اسلام کی سازشوں اور ان کی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، صیہونی طاقتیں اسلام اور اس کے قلع یعنی دینی مدارس کو نہ صرف بدنام کرنے کی بلکہ اسے اس صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہیں اور آج بھی یہ قوتیں اپنے اس ناپاک عزائم کو منصوبہ بند طریقے سے انجام دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی ہیں مگر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

اگر مدارس اسلامیہ کا وجود نہیں ہوتا اور علماء کرام اپنی ذمہ داری میں کوتاہی سے کام لیتے تو مجھے یہ بات کہنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ اسلام کے دشمن اپنے مقصد میں بڑی حد کامیاب ہو چکے ہوتے۔ مدارس کی ہی دین ہے کہ آج آپ کو تاریخ اسلام کی وہ تمام قدآور شخصیات، جن کے کارہائے نمایاں پر دنیا فخر محسوس کرتی ہے، اسی چشمہ سے فیض یافتہ ملیں گے۔

ان تمام تر خوبیوں اور درخشاں ماضی کے باوجود دینی

مدارس میں کچھ ایسے تشنہ پہلو موجود ہیں جن کی سیرابی ابھی باقی ہے، مثلاً ہمارے اِن اداروں (خصوصاً برصغیر پاک و ہند) میں متنوع قراءتِ قرآنیہ کو بطور نصاب پڑھانے سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ بظاہر اس دیدہ دانستہ غماض کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کیونکہ بہت سارے ایسے علوم ہیں جو متنوع قراءت کی بنیاد پر تن آور درخت کی سی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ یہی قراءت قرانیہ تفسیر قرآن میں مجمل معنی کی وضاحت کررہی ہوتی ہیں، انہیں قراء ت کی بنیاد پر استنباطِ احکام میں ایک فقیہ کو راجح مسلک کا علم ہوتا ہے، یہی قراءت عقیدہ سلف کی توضیح اور نکھار میں مدد ومعاون ثابت ہورہی ہوتی ہیں، انہیں کی بنیاد پر قرآن کریم کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا کہ: ''وَان كُنتُم فِي رَيبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا على عَبدِنَا فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثلِهِ وَادعُوا شُهَدَاءَ كُم مِّن دُونِ الله ان كُنتُم صٰدِقِينَ فَاِن لَّم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا...الخ'' (البقرة: ۲۳)

(اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری نہیں، تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنالاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ، لیکن تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے) اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا نطق اور کیفیت اَدائی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ نے سکھائی تھی، سے آشنائی ملتی ہے، لیکن اَرباب مدارس، افسوس کہ اس سے بے اعتنائی برتتے رہے اور برت رہے ہیں۔

قابل استعجاب امر یہ ہے کہ ماضی قریب کی دو تین دہائی میں علوم وفنون کے تئیں جو بیداری آئی اس علمی بیداری سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اہلیان مدارس اور علماء کرام نے اپنے اداروں میں وقت کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے حسب استطاعت جدید علوم وفنون کو اپنے نصاب میں شامل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دینی مدارس میں عصری علوم سے متعلق کئی شعبے موجود ہیں اور اس پر اس لئے پوری توجہ دی جارہی ہے کہ اس سے طلبہ کا مستقبل وابستہ کردیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے اسی صورت میں وہ آگے چل کر بہ آسانی مادیت پرست دنیا کا سامنا کر سکتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہماری یہ سوچ مزید ڈیولپ ہورہی ہے اور اہم اس سمت میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ مدارس دینیہ کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے علاقائی، ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر سمینار اور مذاکروں کا باضابطہ انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان سمینار اور مذاکروں کو منعقد کرنے کا مقصد یہی باور کرانا ہوتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں اگر آپ جدید علوم سے بے خبر ہیں تو دنیا کی آنکھ سے آنکھ نہیں ملا سکتے وغیرہ۔۔۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کی یہ فکر غلط اور نیک نیت پر مبنی نہیں ہے اور اس قسم کے پرگرام کے ذریعہ مدارس کو ان کے حقیقی مقاصد سے بے پروا کرنے کی کوئی سازش ہے۔ ہمیں اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ مدارس کو مارڈن کرنے کیلئے اتنا زور کیوں دیا جارہا ہے۔ کیوں حکومتی سطح پر بھی یہ دباؤ بنایا جارہا ہے کہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی ناگزیر ہے، کیوں کہ گھسے پٹے فرسودہ نصاب کو پڑھ کر دینی مدارس کے طلبہ اقتصادی طور پر کبھی مضبوط نہیں ہوسکتے۔ اسلئے ان کے بہتر اور تابناک مستقبل کیلئے ضروری ہے کہ ان کو علوم جدید سے آراستہ کیا جائے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ جس فن پر ہمارے مذہب کی بنیاد منحصر ہے اور جس کا براہ راست تعلق کلام اللہ سے

اس غیر معمولی فن سے ہمارے مدارس تہہ دامن ہوتے جارہے ہیں، اس پر مخلصانہ توجہ نہیں دی جارہی ہے اور اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اس قیمتی فن پر مذاکرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی لوگوں میں بیداری کے کوئی مہم چلائی جاتی ہے۔ جس سے کہ اس اہم فن کی افادیت کا انہیں اندازہ ہو اور اس فن کو سیکھنے کیلئے بھی اس طرح جدو جہد کریں جس طرح جدید علوم کیلئے دن رات کردیتے ہیں۔

لاکھ کوشش کے باوجود ہم ابھی تک یہ نہیں جان سکے ہیں کہ وہ کون سے پیمانے ہیں جن کی بنیاد پر علم قراءت کو دیگر علوم کے مقابلے میں کم اہمیت کا حامل جانا گیا۔ معلوم نہیں اہمیت وافادیت کس ثریا کا نام ہے، جہاں دیگر علوم تو یک جنبش چڑھ دوڑے، لیکن علم قراءت وہاں تک نہیں پہنچ پارہا ہے؟ حالانکہ ہماری دانست میں یہ علم دیگر علوم کے مقابلے میں کسی بھی طور پر کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

مبارکباد کے مستحق ہیں علماء گجرات، اور گجرات کے دینی مدارس بالخصوص حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ جامعۃ القراءت کفلیتہ کے بانی اور قاری احمد اللہ صاحب قاسمی صدرالقراء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین دابھیل جن کی سرپرستی میں جامعۃ القراءت کا قیام عمل میں آیا۔ وقت کے نباض قاری اسماعیل صاحب نے ملت اسلامیہ کے بہی خواہان کو جمع کرکے زمانے کے تقاضہ کو سمجھا اور اس سے لوگوں کو آگاہ کیا ان کا یہ قدم گرچہ دیر سے اٹھایا گیا قدم ہے مگر ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر ان کی یہ کوشش آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کے علاوہ بھی گجرات میں ایسے علماء کی کثیر تعداد ہے جن کو اللہ تبارک وتعالی نے فکر کی گہرائی اور نظر کی وسعت سے نوازا ہے، آج بھی تجوید وقراءت کے فروغ میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن پاک کو سیکھنے کیلئے جو قواعد بتائے گئے ہیں ان میں قاری نور محمد کی ترتیب کردہ 'نورانی قاعدہ' کو جو برتری حاصل ہے اس کی نظیر نہیں ملتی اسی طرح تلاوت قران کریم میں جو شہرت وعظمت قاری عبدالباسط (۱۹۲۷-۱۹۸۸) کو ملی وہ بھی تاریخی حقیقت ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ علماء گجرات اور یہاں کے دینی مدارس اس معاملے دونوں کی اتباع کرتے ہیں اور اسی انداز میں طلبہ کو درس دیتے ہیں اور یہی ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اس سے قبل کے ان مدارس کا تذکرہ کروں یں جن میں قراءت قرانیہ باضابطہ نصاب میں شامل ہے اس غیر معمولی فن کی اہمیت و افادیت پر مختصر اروشنی ڈالتے ہیں۔

تلاوت قرآن اور تجوید کی اہمیت

قرآن مقدس اور احادیث نبوی میں اس کی تاکید کی گئی ہے کہ ہم قرآن کو پوری قوت کے ساتھ پکڑیں، آداب ظاہری وباطنی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں، قرآن کو یاد کریں اور روزانہ اس کی تلاوت کا اہتمام کریں، جو شخص قرآن کو پڑھے گا، قرآن اس کے لیے سفارش کرے گا اور صاحب قرآن سے قیامت کے روز کہا جائے گا:

'' قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا بس تیرا رتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے''۔ **(ترمذی باب ما جاء فی من قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

''جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے خاندان کے ایسے دس

آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے، جن کے لیے جہنم واجب ہوچکی ہے''۔ (ترمذی باب ما جاء فی فضل قاری القرآن)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی جو شخص ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتا ہے، اس کے لیے اس دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الم حرف، الف حرف، ولام حرف، ومیم حرف''. (ترمذی باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن مالہ من الاجر)

(جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے، میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔)

اسی طرح یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اولاد کی تعلیم میں سب سے پہلے ان کو قرآن کی تعلیم دی جائے، کیوں کہ قرآن کی تعلیم سے بہتر کوئی اور تعلیم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ''. (ترمذی باب ما جاء فی تعلیم القرآن)

تم میں بہتر یا افضل وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور اس کو سکھلائے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے، اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل کرتا ہو''۔ (ابوداؤد)

اس لیے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ خود قرآن سیکھے، اپنی اولاد کو سکھائے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''ان الذی لیس فی جوفہ شیئ من القرآن کالبیت الخرب''. (ترمذی)

جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

مکاتب و مدارس جہاں قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر تلاوت کلام پاک اور اس کا دور نہیں کرتی، مگر ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔ (مسلم فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر)

اس لیے اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں کہ اللہ کے کلام کی تلاوت کی جائے، اس کو سمجھ کر عمل کیا جائے اور اس کی ہدایتوں کو عام کیا جائے گھروں اور مساجد میں قرآن کو تجوید کے ساتھ سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولنا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی ایک نایاب تحریر میں قران پاک سے متعلق چند کوتاہیوں کا ذکر کیا ہے اس میں آپ نے بہت ہی قلق کے ساتھ اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ قران کریم کی تلاوت میں تجوید کا قطعی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہل

علم کا نمبر غیر اہل علم سے کچھ بڑھا ہوا ہے، حتیٰ کہ ایک صاحب سورہ ناس میں ''من الجنة و الناس'' کو اس طرح پڑھتے ہیں: ''من الجنات و النس'' پھر بعضے اس میں مساجد کے امام ہوتے ہیں۔ اس وقت اس غلطی کا اثر دوسروں تک بھی دو طور سے پہنچتا ہے۔

ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خواں ہو تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چونکہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت سے اُمّی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے، اس لیے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی، پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

دوسرے اس طور سے کہ یہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم ہوئے تو علماء کی عوام میں سخت بے وقعتی ہوتی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے اتباع و اقتداء تک بھی سرایت کرسکتا ہے، ہر چند کہ تجوید کے وجوب کے متعلق کلام طویل و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت و عدم مساعدت لسان متیقن نہ ہوجائے، جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے۔ پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا، اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہوسکتا ہے؟

اس میں قرآن کی یا عربی کی کیا تخصیص ہے؟ ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز ادا پر موقوف ہے، مثلاً لفظ ''پنکھا'' اور ''رنگ'' میں اخفا ہے۔ اگر نون میں اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط ہوجاوے گا، اور لفظ ''کھمبا'' اور ''دنبہ'' میں تلاب ہے، اگر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہوجائے گا، مگر بات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا۔ نعماء آخرت کی رغبت، نعماء دنیا کے برابر نہیں رہی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

آگے آپ رقم طراز ہیں ''اس کا بھی التزام رکھیں کہ جب کسی کو مسجد میں امام مقرر کریں۔ کسی ماہر کو اس کی متعدد مختلف سورتیں سنوادی جاویں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔ اگر ارزاں نہ ملے گراں لاویں۔

کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈھونڈا جاتا ہے حتیٰ کہ لوہار، معمار، نجار بلکہ گانے بجانے والا تک بھی، اور خدا کے روبرو جو سب کی طرف سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلّہ میں جو ناکارہ، اندھا چندھا، فاتر الحواس، گنوار، بدتمیز، جاہل ہو۔ غرض جو کسی مصرف کا نہ رہے، اس کو امامت کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔''

اہل مدارس اور مشائخ کو اس جانب توجہ دلاتے ہوئے حکیم لامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے۔ ''اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہیں امتحان داخلہ کا ایک جز اور اجزاء سے زیادہ نہیں تو برابر درجہ میں سہی صحت قرآن کو بھی قرار دیں اور بدون تجربہ صحت یا بعض حالات میں کم از کم وعدہ تصحیح تو ضرور لے لیا جاوے، بدون اس کے داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح کو رکھیں اور اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں اور نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو ایک مدرس تجوید کا مدرسہ میں بڑھانا ضرور ہے۔ اس طریق سے یہ فن عام ہوسکتا ہے۔ اسی طرح مشائخ کو چاہئے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔''

تجوید میں افراط و تفریط

حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانویؒ نے تجوید میں افراط

اور تفریط سے بھی بچنے کی ہدایت کی ہے۔ایک جگہ آپ نے اس حوالے سے کچھ اس انداز میں تنبیہ فرمائی ہے۔

''بعضے تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر کاوش اور بحث ہی تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا اس وقت لوگ ض، ظ میں الجھنے والے دیکھے جاتے ہیں، مگر انشاء اللہ تعالیٰ ادا کے نام خاک بھی نہیں، بعضے عمل تک پہنچنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔یعنی صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں اور یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں اور اتار چڑھاؤ صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحبات قرأۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں، یعنی حرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ یا غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تا کہ وزن ٹھیک رہے۔

سو اس کی نسبت سرکار نبوی ﷺ کا ارشاد ہے:

''اقراء والقرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق واهل السكتابين. (مشكوٰة شريف، ص ۱۹۱، عن حذيفة رضى الله تعالى''، (بحواله بيهقى ۱۲ محمد على غفرله)

(تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو)

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اس کو لحون عرب سمجھنا خطاء عظیم ہے۔جیسا شراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق و اہل کتاب میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے ہیں اور لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے اور بعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہیں، مگر خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے۔مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں تجوید وقراءت:

مناظر ردعیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانہ میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ عربوں کی نظر میں ہندوستانی علماء کی کوئی وقعت نہیں، انہیں گری نظر سے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ ہندی علماء قرآن کریم غلط پڑھتے ہیں اور مدارسِ عربیہ میں تجوید کا کوئی اہتمام نہیں، جبکہ تجوید کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، مگر طلباء تجوید کو فضول سمجھتے ہیں، بعض بڑے اساتذہ بھی کہتے ہیں: ''علم سیکھو، تجوید میں کیا رکھا ہے؟'' اور وعظوں میں کچھ اور ہی رنگ ہوتا ہے۔

''مدرسہ صولتیہ'' مکہ مکرمہ کا آغاز

''حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ'' نے پہلا کام یہ کیا کہ حرمِ مکی میں مدرسہ قائم کیا اور ہندوستانی بچوں کو جمع کر کے پڑھانا شروع کیا۔اسی زمانہ میں ''قاری عبدالقادر مدراسی، فاضل جامعہ ازہر'' مصر سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے، یہ علم وفن کے باکمال قاری تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے انہیں اپنے یہاں مدرس رکھ لیا۔

''مدرسہ صولتیہ'' کی تعمیر

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ترغیب پر مغربی بنگال کی ایک عظیم خاتون ''صولت النساء'' نے اپنا سارا سرمایہ اسی مدرسہ کی تعمیر پر لگا دیا، ''مدرسہ صولتیہ'' اسی کے نام پر ہے۔''قاری عبدالقادر مدراسی'' کی ہر وقت کی محنت اور لگن نے مدرسہ کو چار

چاند لگا دیئے۔خلوص وللّٰہیت کے جذبہ نے بچوں کا تلفظ اور لہجہ ایسا قابل تعریف بنا دیا کہ عرب بھی شوق سے سنتے۔مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی فکر سلیم نے حقارت ونفرت والے ماحول کو الفت ومودّت سے بدل دیا، جب مدرسہ کے جلسے میں ہندوستانی بچے تلاوت کررہے تھے تو عرب بھی جھوم رہے تھے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اس بات کا بہت صدمہ تھا کہ حجاز مقدس میں عرب ہندوستانی علماء کو حقارت ونفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، کیونکہ انہیں قرآن پڑھنا نہیں آتا۔حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی فکر سلیم اور حضرت قاری عبداللہ مکی کی محنت ولگن نے ہندوستانیوں کے سروں پر عزت ووقار کا تاج رکھ دیا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے حضرت تھانویؒ کو ۱۶ رجب ۱۳۱۰ھ کو خط لکھا کہ ہندوستانی علماء کو قرآن پڑھنا نہیں آتا، جس کی وجہ سے عرب حقارت ونفرت سے دیکھتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔اس لئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی دور ہی میں تجوید کا اہتمام کیا۔اس مدرسہ کی امتیازی شان تجوید وقراءۃ ہے اور دوسرے علوم ثانوی درجہ میں تھے، مگر لزوم کے درجہ میں حضرت قاری عبداللہ مکی نے ''مدرسہ صولتیہ'' کو مرکز القراء بنا دیا تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو حضرت قاری عبداللہ مکی کے لگائے ہوئے باغ، یعنی تجوید وقراءۃ کے طلباء کی تلاوتوں نے اتنا متاثر کیا کہ آپ فنِ تجوید کے لئے ٹھہر گئے، چنانچہ آپ نے پڑھنے میں ایسا کمال حاصل کیا کہ جب مدرسہ کی بالائی منزل میں مشق کرتے تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ حضرت قاری عبداللہ مکی پڑھ رہے ہیں یا حضرت تھانوی۔آپ نے تجوید ہی پر بس نہیں کی، بلکہ قرات سبعہ کی بھی تکمیل کی اور مبتدی طلباء کے لئے پاؤ پارہ میں قرات سبعہ کا اجراء لکھا، جس کا نام ''تنشیط الطبع'' ہے۔حضرت تھانوی نے مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم سے متعلق تقریر کی، جس میں آپ نے شکایت کی کہ مدارس عربیہ میں تجوید وقرات کا کوئی اہتمام نہیں ہے، جس کی وجہ سے عالم تو بن جاتے ہیں، مگر باتجوید قرآن پڑھنا نہیں آتا، حضرت کی اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ دار العلوم دیوبند میں ۱۲۳۱ھ میں شعبہ تجوید کا اجراء اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی یہ شعبہ قائم ہوا۔

مدارس میں تدریس قراءت کی ضرورت کیوں ہے؟

تدریس قراءت کے تعلق سے اَرباب مدارس کی بے اعتنائی کا سلسلہ روز بروز دراز ہوتا جارہا ہے۔حالانکہ یہ علم دیگر علوم کے مقابلے میں کسی بھی طور پر کم تر نہیں ہے۔اس کی افادیت کے پیش نظر اسے کیوں مدارسِ دینیہ کے نصاب کا حصہ ہونا چاہئے؟ یہ جاننا انتہائی ضروری ہے۔اس بات کو چند مثال سے بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

تفسیر کا معنی ہے الفاظ قرآنیہ کا مفہوم اس طرح پوری وضاحت سے بیان کردیا جائے کہ اس میں کوئی ابہام یا اجمال باقی نہ رہے۔سو جہاں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر علوم معاون ثابت ہوتے ہیں وہی علم قراءت بھی مجمل الفاظ کی تفصیل اور ابہام کی توضیح کرتا نظر آتا ہے۔

پہلی مثال:

اِرشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاِن كَانَ رَجُل يُّورَثُ كَلٰلَةً اَوِ امرَاۃ وَلَه اَخ اَو اُخت فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنهُمَا السُّدُسُ''(النساء : ۱۲)

آیت مذکورہ میں لفظ 'اخ' اور 'اخت' میں اِبہام ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ذکر کیا گیا حصہ کس بھائی اور بہن کا ہے؟ حقیقی (سگے) بھائی اور بہن مراد ہیں، علاتی (جو باپ کی طرف

سے ہوں) یا اخیافی (جو ماں کی طرف سے ہوں)

تو دوسری قراءت میں اس کی وضاحت یوں موجود ہے: ''وَلَهُ اَخ اَو اُخت مِّن اُمٍّ''

یعنی ''جو اخیافی بہن بھائی ہوں، ان کا وراثت میں یہ حصہ ہے۔''

دوسری مثال

قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''فَكَفَّارَتُه عَشَرَةُ مَسٰكِينَ الخ...

''(ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔'' آیت بالا میں بھی لفظ 'رَقَبَۃٍ' کی وضاحت موجود نہیں کہ قسم کا کفارہ دیتے ہوئے اگر غلام آزاد کرنا مقصود ہو تو کیا غلام میں کوئی تمیز موجود ہے کہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؟ یا کسی بھی غلام کو آزاد کیا جاسکتا ہے؟

تو قراءت کا اختلاف ہمیں بتاتا ہے کہ اس ضمن میں غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے، کیونکہ دوسری قراءت میں لفظ 'رَقَبَۃٍ' کی صفت 'مُومِنَۃٍ' سے بیان ہوئی ہے۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی مسئلے کی تفسیر میں ایک قراءت سے معنی اس طرح واضح نہیں ہوتے جیسے متنوع قراءت مسئلہ کو کھول کر بیان کرتی ہیں، چنانچہ اس پہلو سے دینی مدارس میں متنوع قرات کی تدریس کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عالم دین تفسیری مشکلات کو شاید اس طرح سے حل نہ کرسکے جس طرح قراءت سے واقف عالم دین کرسکتا ہے۔

نصوص کا ظاہری تعارض اور علم قراءت

وہ مسائل جن میں بظاہر نصوص میں باہمی تعارض نظر آرہا ہوتا ہے اور رفع تعارض کے لئے تطبیق کی کوئی صورت نکالنا ہوتی ہے، وہاں بھی قراءت ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں، مثلاً اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

''يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَومِ الْجُمعةِ فَاسعَوا اِلٰى ذِكرِ اِلله'' (الجمعة: ۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔'' مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے کہ جب تمہیں جمعہ کے لئے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے دوڑو، جبکہ دوسری طرف صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ

(انَّ ابا هرير قال سمعتُ رسول الله يقول اذا اُقِيمتِ الصلوةُ فلا تاتوها تسعون واتوها تمشون، عليكم السكينة فما ادركتم فصلّوا وما فاتكم فاتمّوا) (صحيح مسلم :۷۵۸)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ جب نماز کھڑی ہوجائے تو تم دوڑ کر اس کی طرف نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ، تم پر اطمینان لازم ہے۔ جو پالو پڑھ لو اور جو رہ جائے اُسے مکمل کرلو۔'' اب بظاہر دو نصوص کے درمیان تعارض کی کیفیت نظر آرہی ہے۔ آیت قرآنی کے مطابق نماز جمعہ کے لئے دوڑ کے آنا چاہئے جبکہ حدیث نبوی نماز کے لئے دوڑ کر آنے سے منع کررہی ہے، اب اگر دیگر قراءت کو سامنے رکھا جائے تو یہ ظاہری تعارض باسانی دور ہورہا ہے، مثلاً ایک دوسری قراءت میں لفظ 'فاسعوا' جس کے معنی دوڑنے کے ہیں، کی جگہ لفظ 'فَامضُوا' ہے جو اطمینان اور سکون سے چل کر آنے کا معنی دیتا ہے، گویا دوسری قراءت نے اس ظاہری تعارض کو یوں رفع کیا کہ حدیث نبوی کا مفہوم اپنی جگہ

ٹھیک ہے اور آیت قرانی میں لفظ 'فَاسعَوا' کا مفہوم جمعہ کے لئے انتہائی کوشش اور جستجو سے آنے کا ہے، جو دوسری قراءت کو سامنے رکھتے ہوئے اَخذ کیا گیا ہے۔

یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کیا ہم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ بیمار اَفکار کے حامل، اِعتزالی روش کے عادی اور فتنہ پرور محققین کیسے اَحادیث کو قرآن کریم کے مقابل لاتے ہیں اور پھر قرآن کریم کی اتھارٹی کا بہانہ بنا کر ذخیرہ اَحادیث سے ہاتھ صاف کرنے کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ فتنہ اِنکار حدیث ہمیں کیوں سبق نہیں دیتا کہ علم قراءت کو پس پشت ڈالنا گویا کہ مذکورہ محققین کو کھلی چھٹی دینا ہے، تاکہ وہ قراءت کو 'فتنہ عجم' کا نام دے کر اُسے مشکوک ٹھہرائیں اور پھر نصوص کے باہمی تعارض کو بہانہ بنا کر اَحادیث صحیحہ کا انکار کردیں؟

اَرباب مدارس کو قرآن اور سنت دونوں کے تحفظ کے لئے اس طرف توجہ دینا ہوگی، تاکہ نقب زنوں کی تمام راہیں مسدود کردی جائیں اور فتنہ باز دانشوروں کے فتنوں کو متعدی ہونے سے روکا جائے۔

مختلف فقہی اَحکام کا اِستنباط اور علم قراءات

بسا اَوقات دو مختلف قراءت مختلف مسائل کے استنباط کا فائدہ بھی دیتی ہیں، مثلاً

اِرشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلَا تَقرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطهُرنَ" (البقرة: ۲۲۲) ''اور تم ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہوجائیں۔'' یعنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اُسے حیض آنا بند نہ ہوجائے۔ قراءت حفص کے اعتبار سے بیوی سے جماع کے لئے حیض کے بند ہونے کے بعد غسل کی صورت میں طہارت ضروری نہیں، صرف حیض کا بند ہونا ہی کافی ہے جبکہ دوسری قراءت میں ی یطهرنَ' ط کے سکون کے بجائے تشدید کے ساتھ یَطَّهَّرنَ ہے جس کا معنی ہوگا کہ بیوی کے قریب جانے کے لئے حیض کا بند ہونا ہی کافی نہیں بلکہ غسل کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ دو مختلف قراءت سے الگ الگ مسائل کے استنباط سے یہ مترشح ہورہا ہے کہ اس مسئلے میں تخفیف کا پہلو موجود ہے۔

جس طرح اہل مدارس جمود و اِضمحلال سے تحقیق و اجتہاد کی طرف، عصری علوم کی بیگانگی سے اس کی درس و تدریس کی طرف اور فقہ الواقع کی جہالت سے آشنائی کی طرف مثبت پیش رفت کررہے ہیں اسی طرح ہم اپنی منتظمین مدارس سے یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ متنوع قراءت کی افادیت کے پیش نظر اس کی بطور نصاب تدریس کے مسئلے میں بھی اپنا کردار ادا کریں گے، تاکہ جہاں ہمارے نونہالان حفاظتِ قرآن کریم کی ایزدی ذمہ داری کی عملی تعبیر بن سکیں وہاں وہ قرآن کریم کے معنی و مفہوم اور تشریح و توضیح کو بھی منہج سلف کے مطابق باسانی سمجھ سکیں اور اس طرح قراءت قرآنیہ کو 'فتنہ عجم' کہنے والے دانش بازوں کے سامنے مضبوط چٹان کی صورت میں کھڑے ہوجائیں، تاکہ ہوائے نفس کی پیروی کرنے والے، جو خود فتنہ عجم ہیں، اپنے فتنہ کو متعدی نہ کرسکیں۔ اسی طرح ان کے فکری اکابرین جو قرآن کریم کو بھی تورات و انجیل کی طرح بازیچہ اطفال بنانے کا مذموم ارادہ رکھتے ہیں، بھی ناکام و نامراد ہوجائیں اور جان لیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کو عملی تعبیر دینے والے بیداری کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

اختلافِ قراءت کے سلسلہ میں کسی اجنبیت کا شکار ہونے کے بجائے اس کے سلسلہ میں سادہ بصیرت کا استعمال بھی شافی اطمینان دے سکتا ہے۔ دیکھیے کہ ایک زبان جب مختلف

علاقوں اور قبائل میں پھیلی ہو تو بسا اوقات اس کے بعض الفاظ کے استعمالات اور لہجوں میں اتنا فرق واقع ہو جاتا ہے کہ ایک جگہ کے رہنے والوں کے لیے دوسری جگہ والوں کے لہجوں میں بات کرنا بڑا مشکل محسوس ہوتا ہے، جیسا کہ دہلی اور لکھنو کی اُردو کا حال ہے۔ جب قرآن مجید دورِ نبوت کے مشہور قبائل قریش، ہذیل، تمیم، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر میں پھیلا تو ان کی عربی میں کئی فرق پائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کو سات حروف (لغات ولہجات) میں اتارنے کی ایک اہم حکمت یہ بھی تھی کہ اس کے پہلے مخاطبین ایک ہی لہجے کے تکلف کا شکار نہ ہوں۔ البتہ جب بعد ازاں لوگوں کے مختلف انداز سے کلام حکیم کو پڑھنے سے مغالطے پیدا ہونے لگے، تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام حروف کو یکجا جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا سرکاری سطح پر اہتمام فرمایا، اگرچہ رسم الخط میں قریش کے رویے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی مطبوعہ قرآن میں کئی لفظوں کو اپنے حروف میں لکھ کر بعض حروف کے اوپر دوسرا حرف بھی ڈال دیا جاتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اس حرف کی جگہ وہ بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسے ''سورہ غاشیہ کی آیت ''لَستَ عَلَیھِم بِمُصَیطِرٍ'' میں 'ص' کے اوپر 'س'... چونکہ اس زمانہ میں عربی کتابت نقاط وحرکات سے خالی ہوتی تھی، اس لیے ایک ہی نقش میں متنوع قراء توں کے سمونے کی گنجائش موجود تھی، لیکن بعد میں جب لفظوں اور حرکتوں سے متنوع شکلوں کا فرق واضح ہونے لگا، تو قرآن مجید بھی علیحدہ علیحدہ قراء توں میں شائع ہونے لگے۔ اسی طرح دنیا کے مختلف خطوں میں مخصوص قرائتیں رائج ہوئیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق (برصغیر پاک وہند، وسط ایشیا اور ایران وعراق سمیت شرق اوسط) میں جس طرح ''قراءت امام عاصم کوفی... بروایت حفص'' مروج ہے، اسی طرح قرون وسطی کے مغرب (شمالی افریقہ تا اندلس) میں ''قراءت امام نافع مدنی... بروایت ورش'' عام ہے۔ دنیا بھر میں ان دو قراء توں کے علاوہ دیگر قراءت میں بھی قرآن مجید مشہور نشریاتی اداروں کی طرف سے مسلمان حکومتوں کے اہتمام میں چھپتے آرہے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کریم میں کتابت کی بجائے اصل 'تلاوت' ہے، لہٰذا خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ماہرین قراءت کے ساتھ 'مصحف امام' کی نقول مختلف جہات میں روانہ فرمائی تھیں اور آج تک انہی قراء کے حوالہ سے متعدد قراءت کی متواتر روایت نبی کریم تک نہ صرف محفوظ و مامون ہیں، بلکہ ہر زمانہ میں لاکھوں قاری اپنی مخصوص قراءتوں میں ان کی تلاوت کرتے ہیں اور دوسروں کو حفظ کرانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علمی اور تحقیقی کام بھی بہت وسیع و عریض ہے۔

مغرب کے سیاسی اور فکری غلبے کے نتیجے میں جب مسلمانوں کے دین وایمان سے متعلقہ علوم پر بھی مستشرقین نے یلغار کی، تو انہیں 'محمد عربی' کی سنت وسیرت کا کمال اور قرآن کی حفاظت کا اعجاز بہت کھٹکا، کیونکہ دنیا بھر میں 'قرآن' کے علاوہ کسی الہامی کتاب کی اس طرح انتہائی حفاظت وتلاوت کا تو دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ بہت سوں نے سیرت رسول کے بارے میں شبہات پھیلائے تو دوسروں نے قرآن کی قراءتوں کو 'فتنہ عجم' بتا کر اشکالات پیدا کرنے کی کوشش کی، حالانکہ قراءت کا تنوع قرآن کے اعجاز ہی کا ایک پہلو ہے، اس میں اختلاف کا تضاد ممکن ہی نہیں۔

چونکہ دورِ حاضر مسلمانوں کے علمی انحطاط کے ساتھ ساتھ ایمان وعقیدہ کی کمزوری سے بھی دوچار ہے، لہٰذا بعض نام

نہاد اہل علم... مغرب کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات سے متاثر ہونے لگے اور انہوں نے ایک طرف جہاں آزادی تحقیق کے نام پر سنت وحدیث کا انکار کر دیا یا سنت وحدیث کو الگ الگ کر کے استخفاف حدیث کا رویہ اپنایا، تو دوسری طرف قرآنی علوم کی وسعت سے ناواقفی کی بناء پر اپنے ملک میں رائج قراءت کے علاوہ دوسری متواتر قراءتوں کا انکار کر دیا، حالانکہ کتنی بڑی بوالعجبی ہے کہ قرآن جیسی عالمگیر کتاب کو اپنے علاقہ تک مخصوص کرلیا جائے، تاہم ان سب کچھ کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے 'ذکر' کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، چنانچہ ان فتنوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کی طرف سے اس کی حفاظت کے لیے ادنیٰ سے اعلیٰ مساعی مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں تجوید وقراءت کے مدرسے کسی سرکاری سرپرستی کے بغیر تو یہ کام کر ہی رہے ہیں، علاوہ ازیں سرکاری اہتمام میں جامعہ ازھر اور مدینہ یونیورسٹی کے 'تجوید وقراءت' کے شعبے خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

گجرات کے دینی مدارس اور فن تجوید قراءت:

بلاشبہ ریاست گجرات کا علاقہ کئی معنوں میں مبارک و فیض رساں ہے۔ دین وشریعت کے پاسبانوں نے گجرات کے مختلف حصوں میں جو چراغ جلایا تھا اس کی روشنی آج بھی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔

یہ سچ ہے کہ علوم اسلامی کی خدمت مختلف عہد میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں ہوتی رہی ہے اور ایک طویل عرصہ تک علاقہ گجرات پر دوسرے علاقے فائق رہے تاہم فی زمانہ صوبہ گجرات کے علماء ومبلغین ملک وبیرون ملک جس طرح دینی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابل رشک ہی نہیں بلکہ قابل ستائش بھی ہے۔

گجرات کو علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن کے علاوہ کے اور وجوہات سے بھی امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ تاریخ کے مطالعہ اور مؤرخین کے سفرناموں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی یہ وہ واحد ریاست ہے جہاں اصحاب رسول ﷺ کے قدم مبارک پڑے ہیں۔

ریاست گجرات میں صحابہ کرامؓ کی آمد اور ان کے نقوش جاوداں کے حوالے سے متعدد مورخین نے سیر حاصل بحث کی ہے اور معتبر شواہد وثبوت سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے سابق صدر اور معروف تاریخ داں پروفیسر خلیق احمد نظامی رقم طراز ہیں[''گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب ہنر کا گہوارہ، ارشاد وتلقین کا سرچشمہ، اقتصادی زندگی کی شہ رگ اور ایک سرگرم تجارتی منڈی رہا ہے، روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع ہوگئی تھیں۔ بعض اعتبار سے تو ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ میں اسے پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتدا اسی خطۂ زمین سے ہوئی، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرات پر قدم رکھا، کوئی تعجب نہیں کہ کچھ صحابہ یہاں آئے ہوں اور اس سرزمین میں آسودۂ خواب ہوں''

(''یادایام''، یعنی مختصر تاریخ گجرات ص ۱۱-۱۲)

پروفیسر نظامی کے اس دعویٰ کی صداقت پر اس لئے یقین کامل ہے کہ علامہ حکیم سید عبدالحئی حسنیؒ (۱۹۲۳ء-۱۸۶۹ء) نے بھی سرزمین گجرات پر صحابہ کرامؓ کی آمد کی تصدیق فرمائی

ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے صرف پانچ برس بعد یعنی ۱۵ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بحرین وعمان کی حکومت پر عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کو نامزد فرمایا جن کا شمار صحابی رسول ﷺ میں تھا۔ انہوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اپنے بھائی حکم بن ابی العاصؓ کو بحرین کی حکومت پر نامزد کر کے حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں۔ اس کے بعد حضرت حکمؓ نے بذریعہ کشتی اپنی فوج کے ہمراہ گجرات کے ساحل پر قدم رکھا۔ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس خدائے یکتا پر ایمان لانے والوں کا، اسی ایک ہستی کو وحدہ لاشریک لہٗ جاننے اور اسی کو قادر مطلق اور مُصَرِّف الامور ماننے والوں کا پاک قدم پہلے اسی سرزمین پر پڑا اور اسی سرزمین کے دشت وجبل ہندوستان میں سب سے پہلے اللہ اکبر کے نعروں سے گونجے''

مولانا آگے رقم طراز ہیں: ''اس حملہ میں جن سعادت مندوں کو مرتبۂ شہادت نصیب ہوا ان میں غالبًا وہ انفاس قدسیہ بھی تھے جنہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال آرا دیکھا تھا، اور آپ کی پاکیزہ صحبت وروحانی تعلیم سے بھی مستفید ہو چکے تھے۔ ان فدائیان اسلام کی قدسی صورتیں اسی سرزمین کے آغوش میں گنج بے رنج کی طرح مدفون ہوئیں، اگرچہ ہم کو اس کنز مخفی کا پتہ نہیں ہے مگر یہ یقینی ہے کہ بمبئی اور بھروچ کے گردونواح میں یہ خزانہ سپرد خاک ہوا ہوگا''۔

(''یادایام'' ص۴۴-۴۵)

ریاست گجرات کو دوسرا شرف یہ حاصل ہے کہ فن حدیث کا پہلا مصنف بھی اسی سرزمین کی آغوش میں پیوند خاک ہے۔ ۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ المہدی باللہ نے عبدالملک بن الشہاب المسمعی کو جہاد کے لئے روانہ کیا تو اس کے ہمراہ ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جنہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن حدیث میں کتاب تصنیف کی تھی۔ ["هُوَ أَوَّلُ مَن صَنَّفَ في الاسلام، دیکھئے ''کشف الظنون''] عبدالملک نے عظیم فتح حاصل کرنے کے بعد واپسی کا ارادہ کیا مگر وہ زمانہ دریا کے چڑھاؤ کا تھا اس لئے انہوں نے کچھ دنوں مزید قیام کرنا مناسب سمجھا، اسی دوران ہوا میں عفونت پیدا ہوئی اور تقریباً ایک ہزار افراد اس وبا کا شکار ہو گئے۔ ان شہداء میں ربیع بن صبیحؒ بھی شامل تھے اس لئے یہیں سپرد خاک ہو گئے۔ مؤرخین کے بقول یہ دوسرا شرف گجرات کو حاصل ہے کہ ایسا عظیم شخص اس کی آغوش میں خوابیدہ ہے جو فن حدیث کا پہلا مصنف ہے اور صاحب 'کشف الظنون' کی رائے میں مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے کتاب تصنیف کی ہے۔ ان کے حلقۂ تلامذہ میں امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، امام وکیع بن جراحؒ، امام علی بن عاصمؒ جیسے ائمہ دین اور علماء عظام شامل ہیں۔

علاوہ ازیں ہندوستان میں بخاری شریف کی سب سے قدیم شرحیں 'مصابیح الجامع فی شرح صحیح البخاری' از بدرالدین محمد بن ابوبکر اور فیض الباری فی شرح صحیح البخاری مصنف سید عبدالاول بن علاء الحسینی گجرات میں ہی لکھی گئی تھیں۔ یہاں علامہ شمس الدین سخاوی، علامہ ابن حجر مکی وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں اپنی پوری زندگی بسر کر دی تھی۔ یہاں کی درسگاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند سے علم ومعرفت

کے شیدائیوں کو کھینچتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ سولہویں اور سترہویں صدی میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گجرات دینی وثقافتی زندگی کا مرکز ہوگیا تھا اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحّر علماء یہاں موجود نہ تھے۔ بقول علامہ سید عبدالحئ حسنی کہ ''علوم و فنون میں اگر گجرات شیراز تھا، تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا''۔

گجرات میں مشاہیر علماء متقدمین نے علم ومعرفت کی جو قندیلیں روشن کی تھیں ان کی لَو آج بھی باقی ہے۔ ہر زمانے میں اس سرزمین پر علماء کی ایک جماعت ایسی رہی ہے جس نے اپنے اکابر علماء ومشائخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علوم وفنون کی حتی المقدور آبیاری کی۔ ان کے نقوش و باقیات کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ان گراں قدر خدمات کو آنے والی نسلوں تک پہونچانے کی اپنی دینی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ آج بھی اسلامی علوم کے اہم فن 'تجوید قراءت' کی بقا اور فروغ میں اسی ریاست کے علما اور مدارس پیش پیش ہیں اور اس فن کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اس تعلق سے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی (رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر) کی کاوش ناقابل فراموش ہیں۔ ان کی سرپرستی میں ملک بھر میں 'مسابقہ القرآن الکریم' کا انعقاد اس فن کی جانب علماء، طلبہ اور اہل علم کی توجہ مبذول کرانے کا نایاب طریقہ ہے۔ اسی طرح میری جانکاری کے مطابق گجرات جن مدارس میں فن تجوید وقراءت باضابطہ نصاب میں شامل ہیں اور جہاں ماہر فن علماء اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں ان میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، جامعہ اشرفیہ راندیر، جامعۃ القراءت کفلیتہ، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، دارالعلوم زکریا جوگواڑ، جامعہ حسینیہ راندیر، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ کنتھاریہ، دارالعلوم فلاح دارین، جامعہ قاسمیہ علمیہ کھڑود، دارالعلوم عربیہ آنند اور جامعہ اصلاح البنات سملک، دارالعلوم حبیبیہ پانولی اور بستان آمنہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اولذکر (جامعۃ القراءت کفلیتہ) میں باضابطہ یہ فن نصاب میں شامل ہیں۔ اور یہاں ماہر فن اساتذہ اس شعبہ سے منسلک ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملکی سطح پر اس فن کی ترویج و اشاعت کیلئے مدارس میں 'بیداری پروگرام اور مذاکرہ کا انعقاد کیا جائے۔ جن مدارس میں ماہر فن علماء ہیں اس تعلق سے ان کی خدمات حاصل کی جائے تاکہ خدا کے کلام اور مذہب کی سب سے مقدس کتاب کو پڑھنے کا ان میں سلیقہ آئے۔

نئی نسل کو بھی اس فن سے روشنی ملتی رہے۔ اس فن پر لکھی گئی کتابوں کو وسیع پیمانے پر عام کیا جائے۔ اس کو شائع کرنے کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ اہل علم، علماء اور طلبہ اس سے یکسر مستفید ہوسکیں۔

یہاں ایک امر توجہ طلب یہ ہے کہ علماء گجرات جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے دوسری ریاست کے علماء سے بڑی حد تک ممتاز رہے اور ان کی بعض خدمات تو اس پایہ کی ہیں کہ معاصر علماء سے بہت آگے نکل چکے ہیں اس فن کی ترویج ترقی میں بھی اہم رول نبھا کر تاریخ کا حصہ بن سکتے ہیں۔

مجھے امید واثق ہے کہ اس سمینار کے بعد ناچیز کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس طرف توجہ دی جائیگی۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَن یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الفَضْلِ الْعَظِیْمِ

❁ ❁ ❁

رمضان المبارک

نیکیوں اور رحمتوں کا موسم بہار

ادارہ

شھر رمضان الذی انزل فیه القران هدی للناس و بینٰت من الهدیٰ والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر یریداللّٰه بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروا اللّٰه علی ما هدکم ولعلکم تشکرون (پارہ۲،سورۃ البقرہ،آیت۱۸۵)

(مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی،سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کی گنتی پوری کرنی چاہئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تا کہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تا کہ احسان مانو (معارف القرآن)

"یٰایهاالذین اٰمنو اکتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون" (پارہ۲،سورۃ البقرہ،آیت۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی)

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے،اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رمضان "رمض" سے ماخوذ ہے اور رمض کا معنٰی "جلانا" ہے۔ چونکہ یہ مہینہ مسلمانوں کے گناہوں کو جلا دیتا ہے اس لئے اس کا نام رمضان رکھا گیا ہے۔ یا اس لئے یہ نام رکھا گیا ہے کہ یہ "رمض" سے مشتق ہے جس کا معنٰی " گرم زمین سے پاؤں جلنا" ہے۔ چونکہ ماہِ صیّام بھی نفس کے جلنے اور تکلیف کا موجب ہوتا ہے لہٰذا اس کا نام رمضان رکھا گیا ہے۔ یا رمضان گرم پتھر کو کہتے ہیں جس سے چلنے والوں کے پاؤں جلتے ہیں۔ جب اس مہینہ کا نام رکھا گیا تھا اس وقت بھی موسم سخت گرم تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ رمض کے معنی برساتی بارش، چونکہ رمضان بدن سے گناہ بالکل دھوڈالتا ہے اور دلوں کو اس طرح پاک کر دیتا ہے جیسے بارش سے چیزیں دھل کر پاک وصاف ہوجاتی ہیں۔

فضائل رمضان المبارک احادیث کی روشنی میں

"ان الجنته تز حرف لرمضان من راس الحول حول قابل فاذا کان اول یوم من رمضان هبت ریح تحت العرش من ورق الجنة علی الحور العین فیقلن یا رب اجعل لنا من عبادك ازواجا تقربهم اعیننا و تقراعینهم بنا" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔مشکوۃ ص ۱۸۳)

(بے شک جنت ابتدائے سال سے آئندہ سال تک رمضان شریف کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔فرمایا جب پہلا دن آتا ہے تو جنت کے پتوں سے عرش کے نیچے ہوا سفید اور بڑی آنکھوں والی حوروں پر چلتی ہے تو وہ کہتی ہیں کہ اے پروردگار

اپنے بندوں سے ہمارے لئے ان کو شوہر بنا جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اوران کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں)

''رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک منادی آسمان سے طلوعِ صبح تک یہ ندا کرتا رہتا ہے کہ اے خیر کے طلب گار تمام کر اور بشارت حاصل کر اوراے برائی کے چاہنے والے رک جا اور عبرت حاصل کر۔ کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اس کی بخشش کی جائے۔ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کیا کوئی سوالی ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ بزرگ و برتر رمضان شریف کی ہر رات میں افطاری کے وقت ساٹھ ہزار گناہ گار دوزخ سے آزاد فرماتا ہے جب عید کا دن آتا ہے تو اتنے لوگوں کو آزاد فرماتا ہے کہ جتنے تمام مہینہ میں آزاد فرماتا ہے۔ تیس مرتبہ ساٹھ ساٹھ ہزار، یعنی اٹھارہ لاکھ''

"یغفرلا متی فی اخر لیلة فی رمضان قیل یا رسول اللہ لیلة القدر قال لا ولکن العامل انما یوفی اجرہ، اذا قضیٰ عملہ۔ رواہ احمد (مشکوٰہ ص ۱۸۶)"

(رمضانِ پاک کی آخری رات میں میری امت کی بخشش کی جاتی ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ شبِ قدر ہے۔ فرمایا نہیں لیکن کام کرنے والے کا اجر پورا دیا جاتا ہے۔ جب کہ وہ اپنا کام ختم کرتا ہے)

''تم لوگ منبر کے پاس حاضر ہو۔ پس ہم منبر کے پاس حاضر ہوئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین"۔ جب دوسرے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین" اور جب تیسرے درجہ پر چڑھے تو فرمایا "آمین" جب منبر شریف سے اترے تو ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی کہ کبھی نہ سنتے تھے۔ فرمایا بے شک حضرت جبرئیل نے آکر عرض کی کہ'' بے شک وہ شخص دور ہو (رحمت سے یا ہلاک ہو) جس نے رمضان شریف کو پایا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی '' میں نے کہا ''آمین"۔ جب دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: "وہ شخص دور ہو جس کے پاس آپ کا ذکر ہو اور وہ درود شریف نہ پڑھے "میں نے کہا" آمین" جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ "دور ہو وہ شخص جو اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع پائے پھر بھی کوتاہی کے نتیجے میں جنت میں داخل نہ ہو سکے "میں نے کہا" آمین۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا کہ "آدم کے بیٹے کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے ایک نیکی سے دس گنا سے سات سو تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" مگر روزہ کہ اس کا ثواب بے شمار ہے، بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔" روزہ دار اپنی خواہش اور طعام میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت۔ اور ایک خوشی دیدارِ الٰہی کے وقت۔ اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور روزے ڈھال ہیں۔"

"اذا دخل رمضان فتحت ابواب الحنان و علقت ابواب الجھنم و سلسلة الشیا طین" (بخاری)

(جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں)

رمضان کے حروف اوران کی برکتیں:

رمضان کے پانچ حروف ہیں

''ر" رضوان اللہ (اللہ کی خوشنودی) ہے۔

"م" محاب اللہ کی ہے (اللہ کی محبت)۔

"ض" ضمان اللہ کا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری)

"الف" الفت کا ہے اور

"ن" سے مراد نور اور نوال ہے (مہربانی اور بخشش)

سحری کھانے میں برکت ہے:

مسلمانوں کو چاہئے کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت اٹھیں اور حسب ضرورت کھانا تیار کر کے کھائیں۔ اگر چہ ایک دو لقمے ہی ہوں۔ یا کھجور کے چند دانے کھالے۔ کیونکہ یہ کھانا باعث برکت ہے۔محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''نیز سحری کے وقت اٹھنا اور کھانا کھانا اسلام کا شعار ہے۔اہل کتاب اس سعادت سے محروم ہیں۔ہم اہل اسلام اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا کھانا ہے''

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہئے:

یوں تو روزہ ہر حلال چیز سے افطار کرنا جائز ہے مگر طاق کھجوروں سے روزہ افطار کرنا بہت ثواب کا باعث ہے اگر کھجوریں وقت پر نہ مل سکیں تو پانی سے روزہ کھولنا چاہئے۔سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو چاہئے کہ کھجوروں سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے۔اگر کھجوریں نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے۔

نماز تراویح:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ماہ رمضان کی وسط رات میں ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔دوسری رات آدمیوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ مسجد تنگ ہوگئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے برآمد نہیں ہوئے،صبح کو فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، فجر کی نماز سے فارغ ہوکر لوگوں سے خطاب فرمایا: "تمہاری رات کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی،لیکن اندیشہ یہ تھا کہ نمازِ تراویح تم پر فرض نہ ہوجائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہوجاؤ۔

" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان کی راتوں کو زندہ رکھنے (نماز پڑھنے) کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپؐ ان پر لزوم کے ساتھ حکم فرمائیں (یعنی وجوبی حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیتے تھے) آپؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور عہد فاروقی رضی اللہ تعالی عنہ کے ابتدائی دور میں تراویح کا معاملہ یوں ہی رہا۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ سے تراویح کی نماز کی حدیث جب سنی تو آپ نے اس پر عمل فرمایا۔لوگوں نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین وہ حدیث کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عرشِ الٰہی کے ارد گرد ایک جگہ جس کا نام "حضیر القدوس" ہے وہ نور کی جگہ ہے اس میں اتنے فرشتے جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اس میں ایک لمحہ کی بھی کوتاہی نہیں کرتے۔جب ماہ رمضان کی راتیں آتی ہیں تو یہ اپنے رب سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور وہ بنی آدم کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس نے ان کو مَس کیا یا انہوں نے کسی کو مَس کیا تو وہ ایسا نیک بخت وسعید بن جاتا ہے کہ پھر کبھی بد بخت وشقی نہیں بنتا۔یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا جب کہ اس (نماز) کی یہ شان ہے تو ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔پھر آپ (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ) نے تراویح کی جماعت قائم کر کے اس کو سنت قرار دے دیا۔

❁ ❁ ❁

احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

● حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے، جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت:

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

روزہ کے لیے نیت شرط ہے، اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کر لینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کر سکتا ہے، بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہو جانا (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ (۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہے (۷) بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی (۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے، روزہ افطار کر لیا۔

تنبیہ: ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بی بی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے، بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے، اس لیے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر مکروہ ہو جاتا ہے:

(۱) بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہے۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

(۳) فصد کرانا، کسی مریض کے لیے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

(۴) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے، روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!

(۱) مسواک کرنا (۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا (۳) آنکھوں میں دوا، یا سُرمہ ڈالنا (۴) خوشبو سونگھنا (۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا (۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا (۷) بھول کر کھانا پینا (۸) حلق میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا (۹) خود بخود قے آجانا (۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہوجانا (۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے، مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا (۱۳) اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزۃ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہوجائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز، بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لیے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا تو جب عُذر جاتا رہے جلد ادا کرلینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کرکے رکھے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبحِ صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت وثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہوجائے گی لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔ اگر مؤذّن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہوجائے۔ سحری سے فارغ ہوکر روزہ کی نیت دل میں کرلینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے بِصَومِ غَدٍ نَّوَیتُ مِن شَھرِ رَمَضَانَ۔

اِفطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے، ہاں جب اَبر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہوتو دو چار منٹ انتظار کرلینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہرحال کرنا چاہیے۔

کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے: اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمتُ وَعَلٰی رِزقِکَ اَفطَرتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے: ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابتَلَّتِ العُرُوقُ وَثَبَتَ الاَجرُ اِن شَآءَ اللّٰہ۔

تراویح

(۱) رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

(۲) تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہوگئی، اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترکِ سنت کے گنہگار رہوں گے۔

(۳) تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے۔ کسی جگہ حافظِ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے مگر سنانے پر اجرت ومعاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں، اُجرت دے کر قرآن نہ سنیں کیوں کہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔

(۴) اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت پڑھ چکا ہے، اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھنا درست نہیں۔

(۵) جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہوتو جب امام وتر کی جماعت کرائے اس کو بھی جماعت میں شامل ہوجانا چاہیے، اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔

(۶) قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا، نہ مقتدی کو۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اِعتکاف

(۱) اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہوسکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

(۲) رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہوجاتی ہے۔

(۳) بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں

سے بچنا چاہیے۔

(۴) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت دل چاہے کرتا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے، اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لیے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے، اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

(۶) اگر بلا ضرورت طبعی شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، خواہ عمداً نکلے یا بھول کر۔ اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیے۔

(۷) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰/ تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۸) غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لیے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلی امتوں کے چھوٹی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کو پوشیدہ رکھا تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں شب اور ۲۷ ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔ ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ واستغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہو جاتا ہے، ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کر کے سو جانا بڑی محرومی ہے، تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں، وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو درست ہے۔

ترکیب نمازِ عید

اول زبان یا دل سے نیت کریں کہ دو رکعت نمازِ عید واجب مع چھ زائد تکبیروں کے پیچھے اس امام کے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُم پڑھیں پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی میں باندھ لیں اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں پڑھیں۔ دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جاؤ۔ باقی نماز حسب دستور تمام کرو۔ خطبہ سُن کر واپس جاؤ۔

مسائل زکوٰۃ

مسئلہ: اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامانِ

تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: کارخانے اور مِل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (درمختار وشامی)

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے، زیور، برتن حتی کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری، سونے چاندی کے بٹن، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے، اگرچہ ٹھپہ گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔

مسئلہ: کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں (ہدایہ)

مسئلہ: مِلوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مِل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار وشامی)

مسئلہ: پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار وشامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ (۴۰---۱) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا ۴۰---ادے۔ اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمتِ خرید نہ لگے گی، زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا ۴۰---ادینا ہوگا (درمختار، ج:۲)

مسئلہ: ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ ج۱)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحقِ زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ادائیگی زکوٰۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

❁ ❁ ❁

بیس رکعات تراویح

مولانا محمد شفیع قاسمی

جمہور امت کے نزدیک سنت

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کا معمول باقی دنوں کے مقابلے میں مختلف ہوتا تھا۔ تلاوت، صدقات، اعتکاف اور دعاؤں کا اہتمام فرماتے، رات بھر نمازیں پڑھا کرتے، صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ نمازوں میں مشغول رہتے۔ بعض صحابہ تنہا نماز پڑھتے اور بعض صحابہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں نماز پڑھا کرتے۔ کبھی کبھی آپ کے پیچھے بھی نماز پڑھنے لگتے، جب آپ کو معلوم ہوتا تو آپ منع فرماتے اور قیام رمضان (تراویح) کے فرض ہونے کا خدشہ ظاہر فرماتے۔

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھنا۔

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے رمضان المبارک میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا اور اس میں چند راتیں نماز پڑھی، تو کچھ صحابہ کرام نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ کو معلوم ہوا، تو آپ (ایک رات) بیٹھ رہے، پھر ارشاد فرمایا: تمہارا اس طرح کرنا مجھے معلوم ہوا، اے لوگو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اس لیے کہ فرض نمازوں کے علاوہ باقی نماز گھر میں افضل ہے'' (صحیح بخاری، وصحیح مسلم)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ ایک رات اپنے کمرہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور کمرہ کی دیوار چھوٹی تھی، تو لوگوں نے رسول اللہ کو دیکھ لیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے، جب صبح ہوئی تو اس کا چرچا ہوا۔ دوسری رات بھی اسی طرح لوگ نماز پڑھنے لگے۔ اس طرح دو یا تین رات ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے وہاں نماز نہیں پڑھی۔ جب صبح اس کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے'' (صحیح بخاری)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ رمضان المبارک میں ایک رات نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا، پھر دوسرا شخص بھی کھڑا ہوا، اس طرح بہت لوگ ہو گئے، آپؐ کو جب معلوم ہوا تو آپؐ جلدی سے نماز ختم کر کے اندر جا کر نماز پڑھی جب صبح ہوئی تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا رات میں ہمارا نماز پڑھنا آپ کو معلوم ہوا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اسی وجہ سے میں اندر گیا۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان المبارک کی راتوں میں صحابہ کرام مسجد نبوی میں الگ الگ یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جس کو جتنا بھی قرآن یاد ہوتا، وہ پانچ یا چھ یا اس سے زیادہ یا کم لوگوں کو تراویح پڑھایا کرتے۔ (مسند احمد)

رسول اللہ کا عام جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانا:

رمضان المبارک میں عبادت کی کثرت اور رات کی نمازوں کا ذکر احادیث میں ہے کہ رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ تراویح پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی عام جماعت کے ساتھ بھی تراویح پڑھاتے۔ بعض روایات میں

۲۱،۲۲،۲۳،۲۴ چار راتوں میں تراویح پڑھانا مذکور ہے اور بعض روایات میں ۲۳، ۲۵، ۲۷ تین راتوں میں تراویح پڑھانا مذکور ہے اور بعض روایات میں دو یا تین راتیں تراویح پڑھانا مذکور ہے، اس لیے محدثین کا خیال ہے کہ عام جماعت کے ساتھ تراویح ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف رمضان میں پڑھی گئی۔ واللہ اعلم

(۱): حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ۱۲ویں (رمضان) کی رات کو گھر والوں کو جمع فرما کر ایک تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۲ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۳ویں رات کو دو تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۴ویں رات کو سب کو غسل کرنے کا حکم فرمایا اور پوری رات تراویح پڑھائی، پھر اس کے بعد نہیں پڑھائی۔

(۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسول اللہؐ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ بائیس (۲۲) رمضان المبارک کی عصر کی نماز کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ آج عشاء کے بعد تراویح پڑھی جائیگی، جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراویح پڑھے۔ اور یہ ۲۳ویں رات تھی، آپ نے عشا کے بعد تہائی رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۴ویں رات کو تراویح نہیں پڑھائی، اور اعلان بھی نہیں ہوا، پھر ۲۴ویں رمضان کے عصر کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا، آج عشاء کے بعد تراویح پڑھی جائیگی، جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراویح پڑھے، آپؐ نے عشاء کے بعد نصف رات تک تراویح پڑھائی، پھر ۲۶ویں رات تراویح بھی نہیں پڑھائی، اور اعلان بھی نہیں ہوا، پھر ۲۶ویں رمضان کے عصر کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ: آج عشاء کے بعد تراویح پڑھی جائیگی، جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ تراویح پڑھے، ۲۷ویں رات عورتوں کو بھی جمع فرمایا اور پوری رات تراویح پڑھائی کہ ہم کو فلاح (سحری کا وقت ختم ہونے) کی فکر ہونے لگی۔ راوی نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ ''فلاح'' کیا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ: ''سحری''۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: ۲۵ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھائی تو ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! پوری رات تراویح پڑھاتے تو اچھا ہوتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص امام کے ساتھ پوری تراویح پڑھے، اس کے لیے پوری رات تراویح پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

(۳) حضرت نعیم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو منبر حمص پر کھڑے ہو کر فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ (صحابہ کرام) رمضان المبارک کی ۲۳ویں رات کو رسول اللہؐ کے ساتھ عشاء کی نماز کے بعد ایک تہائی رات تک تراویح پڑھی، پھر ۲۵ویں رات کو آدھی رات تک تراویح پڑھی، پھر ۲۷ویں رات کو اتنی رات تک تراویح پڑھی کہ ہم کو گمان ہوا کہ ہم کو سحری کا وقت نہیں ملے گا۔

(۴) رسول اللہؐ کی شریک حیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ ایک رات مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، تو آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز پڑھنے لگے، دوسری رات بھی ایسا ہی ہوا، تیسری یا چوتھی رات جب لوگ بہت جمع ہو گئے تو آپؐ اس رات باہر تشریف نہیں لے گئے، جب صبح ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارا جمع ہونا مجھے معلوم تھا، میں اس لیے نہیں آیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے گی''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا تھا۔

(۵) ابن شہاب (امام زہری) روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عروہ نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک بار دیر رات رسول اللہؐ اپنے حجرہ سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی، اور آپ کے ساتھ کچھ صحابہ نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو اس واقعہ کا چرچا ہوا تو دوسری رات لوگ زیادہ جمع ہوئے، تو صحابہ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا اور زیادہ چرچا ہوا، تو تیسری رات اور زیادہ لوگ جمع ہوئے، آپؐ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ چوتھی رات مسجد لوگوں سے بھر گئی تو آپ تشریف نہیں لائے؛ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ آپ صبح کی نماز میں تشریف لائے، سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خدشہ ہوا کہ یہ نماز (تراویح) تم پر فرض کردی جائے اور تم کرنہ سکو، پھر رسول اللہؐ کی وفات تک اسی طرح تراویح (انفرادی اور چھوٹی جماعتوں کے ساتھ) پڑھی گئی۔

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا رمضان المبارک میں انفرادی اور باجماعت تراویح پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ تراویح روزہ کے ساتھ ۲ ھ میں مشروع ہوئی۔ اس حساب سے رسول اللہ ﷺ نے ۹ سال تراویح پڑھی ہے۔ کبھی انفرادی پڑھی، کبھی چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ پڑھی، کبھی عام جماعت کے ساتھ، لیکن کتنی رکعتیں تراویح پڑھی ان روایات میں اسکا ذکر نہیں ہے، البتہ صحابہ، تابعین کا عمل بیس رکعات تراویح پڑھنے کا ہے، اس لیے جمہور علماء امت نے بیس رکعات تراویح ہی کو سنت قرار دیا ہے۔ ذیل میں چند روایات نقل کی جارہی ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ صحابہ وتابعین کا عمل بیس (۲۰) رکعات تراویح کا ہے۔

(۱) حضرت ابوالعالیہ (تابعی م ۹۰ ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ نے مجھے رمضان المبارک میں لوگوں کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں، مگر قرآن (یاد نہ ہونے کی وجہ سے) تراویح نہیں پڑھ سکتے، اس لیے تم ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ: یا امیر المومنین! یہ ایسی چیز کا حکم ہے جس پر ابھی تک عمل نہیں ہے (یعنی باجماعت تراویح) حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں، لیکن یہی بہتر ہے، تو انہوں (حضرت ابی بن کعبؓ) نے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی۔

(۲) : حضرت عبد العزیز بن رفیعؒ (تابعی، م ۱۳۰ ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر مدینہ منورہ میں پڑھاتے تھے۔

(۳) حضرت سائبؓ بن یزید (صحابی، م ۹۱ ھ) فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں رمضان المبارک کے مہینہ میں صحابہ وتابعین بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھے، اور وہ سو اور سو سے زیادہ آیتوں والی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۴) حضرت حسن بصریؒ (تابعی ۲۱ ھ تا ۱۱۰ ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور آخیر عشرہ میں ایک ترویحہ یعنی چار رکعات کا اضافہ فرماتے تھے۔

(۵) حضرت ابراہیم نخعیؒ (تابعی، ۵۰ ھ تا ۶۹ ھ) فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ وتابعین) رمضان المبارک میں بیس

(۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

(۶) حضرت عطاء ابن أبی رباحؒ (تابعی،م۱۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں صحابہ وتابعین بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین (۳) رکعات وتر پڑھتے تھے۔

(۷) :حضرت یونس بن عبیدؒ (تابعی،م۱۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ واقعہ ابن اشعث (۸۱ھ) سے پہلے میں نے دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ ،اورسعید بن ابوالحسن اور مروان عبدی رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے اورنصف رمضان سے دعاءقنوت پڑھا کرتے تھے،اوردومرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

بعض لوگ بیس(۲۰) رکعات تراویح کے سنت ہونے،اوراس پراجماع کا انکارکرتے ہیں،اورتہجد کے باب کی احادیث اورعبارتوں سے آٹھ رکعات تراویح پراستدلال کرتے ہیں۔خودبھی دھوکہ میں رہتے ہیں،اور دوسروں کوبھی دھوکہ میں ڈالتے ہیں، جب کہ جمہورصحابہ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی،امام احمد بن حنبل،امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک ، امام داودظاہری، ودیگر فقہاء ومحدثین امام ترمذی،امام بیہقی،علامہ ابن عبدالبر مالکی،امام غزالی، علامہ کاسانی، علامہ ابن رشد قرطبی مالکی، علامہ ابن قدامہ حنبلی، علامہ رافعی،علامہ ابواسحاق شیرازی،علامہ نووی،علامہ سبکی،علامہ ابن تیمیہ،علامہ ابن الملقن،علامہ زین الدین عراقی،علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ زکریا انصاری، علامہ رملی،علامہ خطیب شربینی، علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہم اللہ وغیرھم بیس (۲۰) تراویح کے قائل ہیں، بلکہ بیس(۲۰) رکعات پرعمل پیراء ہیں۔

بیس رکعات پرصحابہ وعلماء کے اتفاق کے بعد آٹھ رکعات تراویح پراصرارکرنا صحیح نہیں ہے

مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ آٹھ(۸) رکعات تراویح پراصرارکرتے ہوئے بیس(۲۰) رکعات تراویح کا انکار کرتا ہے اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت اورحضرت جابرؓ کی آٹھ رکعات والی حدیث ہی کو دلیل مانتا ہے جوکسی طرح صحیح نہیں ہے،اس لیے کہ

(الف) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں رمضان وغیررمضان میں گیارہ رکعات اس ترتیب سے پڑھنے کا ذکرہے چار، چاراورتین۔اور دوسری صحیح حدیث میں دس اور ایک رکعات پڑھنے کا ذکرہے،اورایک صحیح حدیث میں آٹھ رکعات اور پانچ رکعات ایک سلام کے ساتھ جملہ تیرہ (۱۳)رکعات پڑھنے کا ذکرہے۔ اور ایک صحیح حدیث میں نو(۹)رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا ذکرہے۔حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ یہ تمام حدیثیں ایک دوسرے سے رکعات اور ترتیب میں معارض ہیں۔ایک روایت پرعمل کرنے سے دوسری حدیثوں کا ترک لازم آئے گا،لہٰذاان حدیثوں کی توجیہ وتاویل کرنی ضروری ہوگی۔علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے مروی روایات بھی حضرت عائشہ کی اس روایت سے ترتیب اوررکعات میں مختلف ہیں،جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی صحیح روایت میں دو رکعات چھ مرتبہ جملہ بارہ (۱۲)رکعات پھروتر پڑھنے کا ذکرہے۔اورایک مرسل حدیث میں سترہ(۱۷)رکعات پڑھنا مذکورہے۔(مصنف عبدالرزاقؒ) لہٰذا حضرت عائشہؓ کی صرف ایک ہی روایت سے تراویح کی گیارہ رکعات پراصرارکرنااور باقی حدیثوں کا ترک کرنا صحیح نہ ہوگا۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں

اتنام قبل ان توتر کے الفاظ ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ آپ سو کر اٹھنے کے بعد نماز ادا فرماتے تھے، اور دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ رمضان کی راتوں میں سوتے نہیں تھے،جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ'' پورا رمضان بستر کے قریب نہیں آتے تھے''نیز حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں پوری رات تراویح پڑھانا ثابت ہے، لہٰذا اس حدیث کو تراویح پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۳) حضرت عائشہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کمرہ میں نماز ادا فرما کر آرام فرمایا، جب کہ تراویح کی احادیث میں اکثر مسجد میں نماز پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، لہٰذا گیارہ (۱۱) رکعات کی اس حدیث کو تراویح سے جوڑنا، اور بیس (۲۰) رکعات کی نفی میں اس حدیث کو پیش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

(۴) حضرت عائشہ کی گیارہ (۱۱) رکعات کی روایت کے اخیر میں اتَنَامُ قَبل ان تُوتِرَ (کیا وتر پڑھے بغیر آپ سو گئے تھے؟) کے الفاظ قابلِ غور ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ نماز وتر ہو، اس لیے کہ حضرت عائشہ کی دوسری حدیث (صحیح مسلم) میں نو (۹) رکعات وتر پڑھ کر دو رکعات جملہ گیارہ پڑھنے کا ذکر ہے۔

(ب) حضرت جابر کی حدیث میں رسول اللہؐ کا آٹھ رکعات پڑھانے کا ذکر ہے، لیکن اس حدیث سے بیس رکعات کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ (۱) اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔(۲) یہ روایت حضرت جابرؓ کی ایک اور حدیث کے معارض ہے جس میں چوبیس (۲۴) رکعات اور تین رکعات وتر پڑھنے کا ذکر ہے۔ (۳) حضرت جابر کی حدیث میں صرف ایک رات کا ذکر ہے، بقیہ راتوں کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث سے بیس رکعات کی نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔(۴) اس حدیث کے اخیر میں کَرِھتُ ان یُکتَبَ علیکم الوترُ کے الفاظ ہیں۔اس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نماز وتر ہو۔ آپؐ پہلے کچھ رکعتیں پڑھی ہوں، جیسا کہ دوسری حدیثوں میں آپؐ کا نماز پڑھ کر سو جانا پھر وتر پڑھنا ثابت ہے۔ نیز آپ کا انفرادی تراویح پڑھنا اور صحابہ کرامؓ کا آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کے ساتھ شریک ہونا دوسری حدیثوں سے ثابت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت جابرؓ اخیر میں شریک ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو وتر کے باب میں نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے رسول اللہؐ کا رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھنا مروی ہے۔ (اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان پر کلام کیا گیا ہے، مگر ان کی روایات کو بہت سے محدثین نے نقل فرما کر سکوت اختیار کیا ہے۔ اور اس کی متن کی تائید میں دوسری روایات اور عملِ صحابہ بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ضعیف کہنا صحیح نہ ہوگا۔) اور تاریخ جرجان ومخطوطات شیخ ابوطاہر اصبہانی میں حضرت جابرؓ سے رسول اللہؐ کا رمضان المبارک میں چوبیس (۲۴) رکعات اور تین رکعات وتر پڑھانا منقول ہے اور صحابہ وتابعین کا عمل بھی بیس (۲۰) رکعات تراویح کا ہے، لہٰذا صحابہ، تابعین اور اکثر علماء امت کے بیس (۲۰) رکعات تراویح پر اتفاق کے بعد آٹھ (۸) رکعات تراویح پر اصرار کرنا اور حدیث صحیح وحدیثِ ضعیف کی بحث کرتے ہوئے بیس رکعات کا انکار کرنا حق اور اجماع سے انحراف کا باعث ہوگا۔

❁ ❁ ❁

رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کے تقاضے

پیشکش: مظفر حسین رحمانی

رمضان المبارک قمری مہینوں میں سے نواں مہینہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کی اپنی طرف خاص نسبت فرمائی ہے، حدیث مبارک میں ہے کہ ''رمضان شہر اللہ'' رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مبارک مہینے سے رب ذوالجلال کا خصوصی تعلق ہے جس کی وجہ سے یہ مبارک مہینہ دوسرے مہینوں سے ممتاز اور جدا ہے۔ اس ماہ سے خصوصی تعلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاصہ اس مبارک ماہ میں اس درجہ نازل ہوتی ہیں گویا موسلا دھار بارش کی طرح برستی رہتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اول حصہ میں حق تعالیٰ کی رحمت برستی ہے جس کی وجہ سے انوار و اسرار کے ظاہر ہونے کی قابلیت و استعداد پیدا ہوکر گناہوں کے ظلمات اور معصیت کی کثافتوں سے نکلنا میسر ہوتا ہے اور اس مبارک ماہ کا درمیانی حصہ گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے اور اس ماہ کے آخری حصہ میں دوزخ کی آگ سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان کی جب پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین کو بند کردیا جاتا ہے اور مضبوط باندھ دیا جاتا ہے اور سرکش جنوں کو بھی بند کردیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اس کا کوئی بھی دروازہ نہیں کھولا جاتا اور بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی بھی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے نیکی کے طالب آگے بڑھ کہ نیکی کا وقت ہے اور اے بدی کے چاہنے والے بدی سے رک جا اور اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھ کیونکہ یہ وقت گناہوں سے توبہ کرنے کا اور ان کو چھوڑنے کا ہے اور خدا تعالیٰ کے لیے ہے اور بہت سے بندوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں دوزخ کی آگ سے اور یہ آزاد کرنا رمضان شریف کی ہر رات میں ہے، شب قدر کے ساتھ مخصوص نہیں۔

روزہ وہ عظیم فریضہ ہے جس کو رب ذوالجلال نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور قیامت کے دن رب تعالیٰ اس کا بدلہ اور اجر بغیر کسی واسطہ کے بذات خود روزہ دار کو عنایت فرمائیں گے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے ''روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے گویا روزہ دار اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوجاتا ہے کہ اس کی خلوف (منہ کی بو) بھی اللہ تعالیٰ کو پسند اور خوشگوار ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کو شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے اور خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام مثیرہ ہے جس کے جھونکوں کی وجہ سے جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں میں کھڑی ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا تا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں: ''اے خوب صورت اور خوب سیرت عورتوں یہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے اور حق تعالیٰ شانہ رضوان (جنت کے داروغہ) سے فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لیے کھول دو اور جہنم کے داروغہ سے فرماتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دو اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کو خراب نہ کریں۔

رمضان کے اس مبارک ماہ کی ان تمام فضیلتوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس مہینہ میں عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے اور کوئی لمحہ ضائع اور بے کار جانے نہیں دینا چاہیے شب و روز کے اوقات کو صالح اعمال کے ساتھ مزین اور معمور رکھنے کی سعی اور کوشش میں مصروف رہنا چاہیے اور دوسرے مہینوں کی دائمی عبادت کے ساتھ بعض دوسری عبادات کو اس ماہ مبارک میں مقرر کرنے سے شریعت کی یہی غرض معلوم ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک کا ہر لمحہ اور گھڑی عبادت و ریاضت میں گزرے، لیکن حاجت بشریہ میں گھرے ہوئے انسان کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے کاروبار اور بشریت کے تقاضوں سے علیحدہ ہو کر ہمہ وقت عبادات میں مشغول ہو جاتا ہے اس لیے انسانوں کے ضعف اور ان کی ضروریات طبعیہ پر نظر فرماتے ہوئے رب تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری فرمائی اور اس ماہ مبارک میں ایسے انداز میں عبادت کو فرض کے طور پر متعین فرما دیا کہ انسان اس عبادت کے ساتھ اپنی تمام ضروریات و حوائج میں بھی مصروف رہ سکتا ہے اور عین اسی خاص طریقہ عبادت میں بھی مشغول ہو سکتا ہے۔ ایسی خاص طریقہ کی عبادت کو روزہ کہا جاتا ہے جسے اس ماہ میں فرض فرما دیا گیا ہے روزہ ایک عجیب عبادت ہے کہ انسان روزہ رکھ کر اپنے ہر کام کو انجام دے سکتا ہے، روزہ رکھ کر صنعت و حرفت تجارت و زیارت ہر کام بخوبی احسن کر سکتا ہے اور پھر بڑی بات یہ کہ ان کاموں میں مشغول ہونے کے وقت بھی روزہ کی عبادت روزہ دار سے بے تکلف خود بخود صادر ہوتی رہتی ہے اور اس کو عبادت میں مشغولی کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہِ مبارک کی صحیح قدر کرنے والا بندہ بنا دے، آمین۔

❁ ❁ ❁

❁

عیدالفطر
باہمی اخوت ومحبت کا تہوار

..... ● ولی الدین ولی ندوی

عیدالفطر مسلمانوں کا سب سے بڑا ملی تہوار ہے۔عید عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی اس خوشی ومسرت کے ہیں جو لوٹ کر بار بار آئے۔اس تہوار میں امن وسلامتی اور بھائی چارہ ہے نیز فرقہ وارانہ ہم آہنگی، یکجہتی، مساوات اور ہمدردی واتحاد کا بہترین مظاہرہ بھی ہے۔عیدین میں تین خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ وہ بیک وقت قومی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، یعنی جن کی بنیاد انسانیت کے لئے مشترک اہمیت رکھنے والے جذبات وروایات پر ہے۔دوسرے یہ کہ اسلام چونکہ ایک عالمگیر ایمانی ، اصلاحی و اخلاقی دعوت ہے اس لئے اس نے اپنے تہواروں اور عیدین میں صرف خدا پرستی کو ملحوظ رکھا ہے جو انسانیت کی اصل جڑ ہے۔ان کو مخلوق پرستی اور مشرکانہ توہمات کی ملاوٹ سے پاک کر کے خالص خدا پرستی کا گہرا رنگ دیا ہے۔تیسرے یہ کہ خدا پرستی کے ساتھ اسلام نے اپنے تہواروں میں اخلاق کا بھی ایک بلند نصب العین عطا کیا ہے جہاں لطف وتفریح تہذیب کے ساتھ اور خوشی کا مظاہرہ سنجیدگی کے ساتھ کرنے کی ہدایت ہے۔

عید کی ابتداء:

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۲ر ہجری کو عیدالفطر کا تصور پیغمبر اسلام حضرت محمد عربی ﷺ نے اپنی امت کو دیا۔اسی سال رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوا۔ہجرت کے بعد کفار مکہ سے پہلا مقابلہ جنگ بدر کے نام سے ۱۷ر رمضان ۲ر ہجری ہی کو پیش آیا۔حدیث پاک میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر قوم کے لئے خوشی کا دن متعین ہوتا ہے اور ہمارے لئے یہ خوشی کا دن ہے اور آپ اس طرح سے اپنے صحابہ کے ساتھ یکم شوال ۲ر ہجری کو مدینہ منورہ سے نصف میل دور ایک کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور عیدالفطر کی نماز ادا فرمائی۔

عیدالفطر کے روز جو سب سے پہلا کام آپ ﷺ کیا کرتے وہ صدقہ فطر کی ادائیگی ہوتی تھی۔یہی وہ اخلاقی دعوت اور مشترکہ تہذیب ہے جو یہاں صدقہ فطر کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے کہ آپ کے پڑوس میں، محلے اور بستی میں آپ ہی کے بچوں کی طرح دل رکھنے والے اور دلوں میں ارمان وشوق رکھنے والے کچھ اور بچے بھی ہیں جن کے ناز بردار ماں باپ آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، عید ان کے گھر بھی آئی ہے مگر ان کے چہرے اداس ہیں۔وہ بے یارو مددگار ہیں آپ ان کی سرپرستی کیجئے، وہ بے آسرا ہیں آپ ان کا آسرا بنئے، آپ کی عید جب ہی مقبول ہوسکتی ہے۔

آپ اگر عید کی حقیقی مسرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے پر تکلف کھانے سے پہلے ان فاقہ کشوں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر ان کی مجبوری کا روزہ کھلوایئے، آپ ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ یتیموں کی غمخواری، مسکینوں کی دستگیری اور دردمندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔صدقہ فطر کی ادائیگی اسی لئے ہر مسلمان عاقل بالغ صاحب استطاعت پر قبل نماز عید واجب ہے۔

بہرحال اطاعت اور شکر گزاری کے جشن کے طور پر مسلمانوں کو عیدالفطر کا دن نصیب ہوا۔عیدالفطر رمضان المبارک میں پورے ایک مہینے کے روزے رکھنے کے بعد روحانی مسرت اور نفس و شیطان پر فتح پانے کی خوشی کا دن ہے۔حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جب عیدالفطر کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتے ہیں اور وہ زمین پر اتر کر گلیوں راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسی آواز سے پکارتے ہیں جس کو جنات وانس کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے 'اے محمد ﷺ کی امت اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، بڑے بڑے قصور معاف کرنیوالا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی مزدوری پوری پوری دی جائے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ان کو رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کرتا ہوں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو خوشی کے اظہار کی اجازت تو دیتا ہے، مگر بے قابو ہونے کی اجازت نہیں دیتا، عید منانے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق مسلمانوں کو اس موقع پر نئے کپڑے یا حتی الوسع عمدہ کپڑے پہننے، عطر لگانے، بہتر کھانا کھانے، ایک دوسرے کو مبارک باد دینے، رشتہ داروں اور دوستوں کے یہاں آنے جانے کی اجازت ہے، اس دن دوگانہ نماز ادا کرنے اور فقراء ومساکین کا تعاون کرنے کی بھی ہدایت ہے، مگر کسی غیر شرعی کام کرنے کی اس دن بھی اجازت نہیں ہے، نہ خوشی میں ناچنے گانے کی اجازت ہے نہ ڈانس کلبوں میں جانے کی اجازت ہے، نہ شراب پینے کی اجازت ہے، نہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے اور نہ انہیں دیکھنے کی اجازت ہے، نہ زنا کاری، فحاشی وبے حیائی کی اجازت ہے، نہ اصراف اور فضول خرچی کی اجازت ہے، غرض ہر وہ عمل جو اسلام میں دیگر دنوں میں جائز نہیں وہ اس دن بھی جائز نہیں ہے۔ عیدالفطر کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی چارے کے ساتھ رہیں ان کے درمیان نفرت وکدورت کی خلیج قائم نہ ہوں، اگر پہلے سے ہوں تو عید کے موقع پر ختم ہو جانی چاہئیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اجتماعی طور سے خوشی کا یہ دن فراہم کر کے یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح اس دن مسلمانوں نے آپسی بھائی چارے کا مظاہرہ کیا ہے، کسی اختلاف کو اس دن نہیں چھیڑا، بقیہ دنوں میں بھی اسی بھائی چارے کو قائم رکھیں، تاکہ آپسی اتحاد قائم رہے اور ایک اجتماعی طاقت کا مظاہرہ ہو، آج مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا جو سلسلہ جاری ہے اور وہ جن چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور مسلکوں میں تقسیم ہو کر وہ تباہی کا شکار ہو رہے ہیں، عیدالفطر ان کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس روز کسی قسم کے امتیاز، نفرت، کدورت کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اگر کوئی منفی جذبہ دل میں باقی رہ جائے تو پھر عید حقیقتاً عید کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے عید کے دن ہر کسی سے معانقہ ومصافحہ کیجئے تاکہ دل صاف ہو اس سے اخوت میں بڑھاوا ہوتا ہے۔

عید کے دن کیا کریں:

چاند دیکھنے کے بعد جو اس رات میں عبادت کرتا ہے اس کا دل کبھی مردہ نہیں ہوتا۔ شریعت کے موافق اپنی آرائش کرنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، عمدہ وصاف کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، صبح کو بہت سویرے اٹھنا، عیدگاہ میں جلدی جانا، عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا جیسے چھوہارہ، کھجور حلوہ وغیرہ۔ عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا، عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا، عیدگاہ میں ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا، پیدل چلنا، راستے میں تکبیر **اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر ولله الحمد** پڑھنا (یہ تکبیر عیدالفطر میں آہستہ آواز سے اور عیدالاضحیٰ میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے) دوگانہ شکر واحسان ادا کرنے کے بعد خطبہ سننا بھی واجب ہے۔

❁ ❁ ❁

حفظ قرآن کا اصل مقصد

..... ● یاور رحمن، نئی دھلی

حضرت حارث الاعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں'' میں مسجد میں داخل ہوا تو کچھ لوگوں کو دیکھا کے وہ احادیث کے بارے میں گفتگو میں مشغول ہیں، میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ کچھ لوگ مسجد میں احادیث کے سلسلے میں محوِ گفتگو ہیں؟ تو انہوں نے کہا، کیا لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، تو انہوں نے کہا سنو! میں نے محمد ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ عنقریب کچھ فتنے اٹھیں گے، میں نے پوچھا کہ ان سے نکلنے کی سبیل کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔

ترجمہ: اللہ کی کتاب، جس میں تم سے پہلے کے لوگوں کے واقعات ہیں اور بعد میں آنے والوں کی خبر دی گئی ہے اور تمہارے درمیان پیدا ہونے والے مسائل کا فیصلہ ہے، یہ کتاب فیصلہ کن ہے مذاق نہیں ہے، یہی وہ کتاب ہے جس کو کوئی جبارا گر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور جو شخص اس کے علاوہ سے ہدایت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے، یہ وہ کتاب ہے جس سے خواہشیں کج نہیں ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے زبانیں گڈمڈ نہیں ہوتی ہیں۔ اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے، یہ وہی کتاب ہے جس کو سن کر جن بھی یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکے،''ہم نے ایک عجیب وغریب قرآن سنا ہے''، یہ وہ کتاب ہے جو اس کے ذریعہ بولے گا سچ کہے گا، جو اس سے فیصلے کریگا وہ عدل کرے گا اور جو اس پر عمل کرے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت سے سرفراز ہوگا۔''

اس حدیث کے خط کشیدہ الفاظ پر خصوصاً غور کیجئے، اس وقت حامل قرآن اس پوری امت کی مجموعی حالت کا پورا نقشہ اس الفاظ کے پس منظر میں آپ کو نظر آجائے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے واقعی قرآن کو چھوڑ دیا ہے؟ تو پھر یہ لاکھوں علماء اور حفاظ کیا ہیں؟؟؟ جواب چاہئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد پر غور کیجئے، فرماتے ہیں''ہمارے لئے قرآن مجید کے الفاظ کو حفظ کرنا دشوار ہے اور اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے اور جو لوگ ہمارے بعد آنے والے ہیں ان کے لئے قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان ہو جائے گا اور اس پر عمل کرنا مشکل ہوگا''۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،''ہم نے اپنی زندگی کا کچھ وقفہ اس حال میں گزارا کہ ہم نے قرآن مجید سے پہلے ایمان کو پایا، چنانچہ محمد ﷺ پر سورہ نازل ہوا کرتی تھی، پھر ہم اس کے حلال وحرام، امر ونہی کو سیکھتے تھے اور وہ سب کچھ سیکھتے تھے جس کا علم اُس سورہ کے تعلق سے مناسب تھا، پھر میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں ایمان سے پہلے قرآن مجید مل گیا پھر وہ اس کو ابتداء سے انتہا تک پڑھ ڈالتے تھے اس حال میں کہ اس

کے امر و نہی سے بالکل ناواقف ہوتے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کس آیت کے پاس دیر تک ٹھہرا جائے، چنانچہ وہ آیات قرآنی کو ردّی کھجور کی طرح بکھیر دیتے تھے۔''

حفاظ کرام حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں خط کشیدہ الفاظ پر خدارا غور فرمائیں۔ چونکہ میں بھی الحمد اللہ! ایک حافظ قرآن ہوں اس لئے ان الفاظ کو خط کشیدہ کر کے آپ کی توجہ اس جانب خاص طور سے مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید حفظ کرنے والوں کا وظیفہ مقرر کر دیا کرتے تھے مگر جب انہیں ایک گورنر کی جانب سے یہ خط موصول ہوا کہ سات سو لوگوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے تو آپ نے ان کا وظیفہ جاری کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا، ''مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ تفقہ فی الدین سے قبل قرآن مجید کے سلسلہ میں جلد بازی کرنے لگیں گے، اس لئے ان کو کچھ نہ دیا جائے۔''

آغاز مضمون میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے جملوں پر غور کریں، پھر صحابہ کرامؓ کے فرمودات پڑھیں اور قرآن کے سلسلے میں اپنے رویہ پر ازسرِ نو غور کریں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ مختصر سے مضمون میں قرآن و حدیث کے مزید حوالے دیئے جاسکیں ورنہ متعدد حدیثیں اور آیات قرآنی ہیں جو ہمارے موجودہ طرز عمل کی پُرزور نفی کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب وہ سرکاری دستور ہے جو احکم الحاکمین کے جانب سے اترا ہے، ثواب اس کا ایک لازمی اور فطری نتیجہ ہے مگر یہ محض ثواب کی کتاب نہیں ہے، اپنے پڑھنے والے سے اس کا مطالبہ کچھ اور ہی ہے۔ ارشاد باری ہے:

''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔'' (القرآن)

یہ کتاب اس لئے اتری ہے کہ حق اور باطل کا فرق واضح کرے، ہدایت اور گمرہی کی راہیں متعین کرے، نت نئے فلسفوں اور نظریوں کی گنجلک وادیوں میں بھٹک رہی انسانیت کو حقیقتِ نفس الامری سے روشناس کرائے اور انسان کو بتائے کہ حیات انسانی کی ان ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں کے درمیان فکر و عمل کی اصل شاہراہ کون سی ہے، لیکن کیا ہم ان باتوں کو جاننے کے لئے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جانے انجانے میں اس قرآن پر وہ ظلم کر رہے ہیں کہ کسی اور کو کچھ کہنے کا ہمارا حق نہیں ہے۔ آیئے صرف حفظ قرآن کے اس طریقہ پر ہی گفتگو کریں جو ہمارے مدرسوں میں رائج ہے۔

اس وقت دنیا میں رائج طریقہ تعلیم کیا ہے؟ دو سال کا ایک بچہ اپنی علمی زندگی کا آغاز ایک پلے اسکول (Play School) سے کرتا ہے، پھر LKG، پھر UKG، اس کے بعد سال کی دس گنتیاں گنتے ہوئے وہ گیارہویں، بارہویں، پھر گریجویشن اور پھر پوسٹ گریجویشن (Post Graduation) تک پہنچتا ہے۔ اس دوران وہ جو کچھ بھی پڑھتا ہے اس کو پڑھانے کے لئے ماہرین تعلیم نے جو نصاب ترتیب دیا ہے اس میں اُس کی ذہنی، فکری اور عقلی سطح کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ دو سال کے بچے کا داخلہ ڈائرکٹ بی۔ اے اور ایم۔ اے میں تو کیا پہلی اور دوسری کلاس میں نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ذہنی اور فکری سطح اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر اسے ڈاکٹر بننا ہے تو اسی ایل کے جی۔ اور یو۔ کے۔ جی سے گزرتے ہوئے ایک لمبا سفر طے کر کے اسے فن طب (Medical) کے اصل الاصول تک پہنچنا ہوگا اور اس شعبہ کی اسے وہ تمام بنیادی کتابیں پڑھنی ہوں گی جن میں وہ Biology

کے اصول و مبادی کو جان سکے۔ اس طرح ایک ماہر فیزیشن (Physition) یا سرجن (Surgeon) بنتے بنتے کئی سال لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک انجینئر بننے کے لئے انجینئرنگ (Engineering) کے کورس کو مکمل کرنے تک اسے ایک طویل اور جاں گسل علمی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ اگر وہ M.BA کرنا چاہتا ہے یا صحافت کا Career اپنانا چاہتا ہے تو یہاں بھی بنیادی تعلیم کے تمام مرحلوں کو سر کرتے ہوئے اسے علم وفن کے اس مقام تک پہنچنا ہی ہوگا جہاں تک اس کا نصاب مطالبہ کرتا ہے۔ تبھی جاکے دنیا کے بازار میں اس کی قیمت طے ہو سکے گی۔ غرض علم وہنر کے کسی بھی شعبہ کو مثال بنا کر دیکھئے، اس علم میں ارتقا کی سب منزلیں طے کر کے عمر اور لیاقت کے لحاظ سے ہی ہر آدمی زندگی کے ان شعبوں میں داخل ہو کر معاشرے کے اجزائے ترکیبی کا ایک قابل قدر حصہ بنتا ہے۔

مگر افسوس کہ وہ قرآن مجید جو زمین وآسمان کے تمام علوم کا سرچشمہ ہے، خدا کی وہ الہامی کتاب جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے انبیاء کی بعثت مبارک کے بعد پورے کروفر کے ساتھ نبی آخری محمد عربی ﷺ پر نازل کی گئی، اللہ احکم الحاکمین کا وہ منشور کہ جس نے فساد سے بھری دنیا کو امن سے آشنا کیا، ظلم سے پس رہی انسانیت کو عدل سے روشناس کیا اور اخلاق سے عاری دنیا کو ایثار ومحبت، ہمدردی، وفا شعاری، انسان دوستی اور جذبہ اخوت کے ہم رکاب کیا، اُس کتاب کو اِس حامل کتاب امت نے محض ثواب کی کتاب بنا دیا اور اس کتاب میں درج تمام احکامات الٰہی سے عملی بغاوت کرتے ہوئے صرف اسے رٹ لینا اپنی ہی نہیں بلکہ ''سات پشتوں'' کی مغفرت کا ذریعہ سمجھ لیا۔ والدین نے یہ کیا کہ، جو بیٹا ذہین نہیں ہے، جس کا مستقبل ''تابناک'' نہیں لگ رہا ہے، جو گھر میں سب سے زیادہ شرارتی، لاابالی اور کھلنڈرا ہے اسے مدرسہ میں بھیج کر حفظ کرنے پر لگا دیا۔ یعنی ''نہ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی آیا چوکھا'' تعلیم بھی سستی، اخراجات بھی نا کے برابر اور آخرت میں ''تاج پوشی'' کی گارنٹی بھی۔

کچھ نے سوچا، گاؤں کی مسجد اور مدرسہ پر اپنے خاندان اور مسلک کا دبدبہ ضروری ہے ورنہ اس دیہی معاشرے میں 'مذہبی اجارہ داری' کسی 'ڈاگڈر بابو' یا 'ماسٹر صاحب' کے جھولے میں چلی جائے گی، اس لئے باقی بیٹوں کو تو علی گڑھ اور دہلی کی معیاری تعلیم کے لئے روانہ کیا اور جو خام مال تھا وہ علاقہ کے کسی مدرسہ کی نذر ہو گیا۔ کچھ نے واقعی اخلاص کے ساتھ اپنے بچے کو حفظ قرآن کرانے کی کوشش کی مگر وہ اس تعلیم کی اہمیت اور اس کے مقصد کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ کچھ نے حفظ قرآن کی اس نعمت کو فیشن بنا دیا، بچے کو حفظ کرایا اور پھر عصری تعلیم کے اس ماحول میں جھونک دیا جہاں حفظ قرآن کی وہ دولت بے آبرو ہو کر چپ چاپ بچے کے ذہن سے محو ہو گئی اس حال میں کہ کسی کو احساس زیاں بھی نہ رہا۔ اور مدرسے میں کیا ہوا؟

مدرسے کی عالی شان عمارت میں عربی درجات کے ناموں کا بورڈ قطار در قطار لگا ہے، راہ داری میں منطق وفلسفہ اور فقہ وادب کی کتابیں سینے سے لگائے طلبا کا ہجوم آمد ورفت میں لگا ہے، اساتذہ اپنے درجوں میں پورے وقار وتمکنت کے ساتھ اپنی اپنی مسندوں پر جلوہ افروز ہیں، فقہ وحدیث پر عالمانہ بحثیں چل رہی ہیں، غرض اک شانِ جداگانہ ہے جو مدرسے کے فضا کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لئے ہوئی ہے اور دوسری جانب اسی مدرسے کے وسیع وعریض احاطہ میں موجود مسجد کے ایک حصہ میں چند بے حال نفوس کی شکل میں طلبا کا ایک گروہ رحلوں پر قرآن رکھے جھوم رہا ہے، سادہ سی ایک دری پر ایک 'حافظ صاحب' لمبی سی

چھڑی لئے بیٹھے ہیں جیسے قرآن کی تعلیم نہیں دے رہے ہوں بلکہ بکریوں کے ریوڑ کو ہانک رہے ہوں۔

طلبا کے اس گروہ میں اکثریت ان نابالغ بچوں کی ہے جنہیں ازار بند تک باندھنے کا شعور نہیں، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ پاکی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ حافظ صاحب اس بات پر تلے ہیں کہ آج وہ ان معصوم بچوں کے حلق سے 'ع' اور 'ص' نکلوا کر ہی دم لیں گے اور جو طلبا اپنی ٹین ایج میں ہیں یعنی جن کی عمریں سولہ سترہ سال کی ہیں ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو جتنی تیزی سے جھوم رہے ہیں اتنی ہی تیزی سے جگالی بھی کر رہے ہیں کیونکہ ان کے منہ میں گٹکھا یا چینگم دبی ہوئی ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو عالمیت کا کورس کرنے والے طلبا کے بیچ مذاق کا نشانہ بنتا رہتا ہے، وہ انکو چڑھاتے ہیں 'کُلُّ حافظٍ جاہلٌ' یعنی ہر حافظ جاہل ہوتا ہے۔ عربی درجات میں پڑھانے والے اساتذہ کی نظر میں حفظ قرآن کرانے والے استاد کی اہمیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ حفظ قرآن کے اس شعبہ کی وقعت انکی نگاہ میں وہی ہے جو یونیورسٹی کے انجینئرنگ یا میڈیکل فیکلٹی کی نظر میں آرٹس فیکلٹی کی ہوتی ہے بلکہ شائد اس سے بھی کمتر۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہی قرآن کی عزت ہے؟ کیا یہ کتاب دنیا کے بے دین اور گمراہ مصنفین کی کتابوں سے بھی معاذ اللہ کمتر ہے؟ کہ چار پیسوں میں بکنے والا علم تو ایک منظم اور مرتب نصاب کے ذریعہ دیا جائے اور قرآن کی تعلیم اتنی بے توقیری سے چٹائی پر عام کردی جائے؟ تعلیم یافتہ غلاموں کی تیاری میں تو ایک عالمانہ شان ہو اور تمام تر وسائل کو اس کے لئے بروئے کار لایا جائے اور اللہ کی کتاب کے لئے کوئی ضابطہ، کوئی قاعدہ اور کوئی نصاب مقرر نہ ہو؟

قارئین! اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے، کرکٹ میچ کے لئے دیوانگی، فلموں کا بے مثال چسکا، ماضی سے شکوہ، مستقبل سے ہراساں، اپنے آس پاس کے مغربی رنگ و روغن والے کلچر سے مرعوبیت، اسلام سے ٹوٹا پھوٹا تعارف اور کفر والحاد سے لمحہ لمحہ کا سابقہ اور اس پر گھر والوں کی اس کی ذات سے بیجا امیدیں اور توقعات، آپ کا بیٹا قرآن کو حفظ کرنے کے بعد ایک عجیب و غریب شخصیت کا چربہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے معنی و مفہوم سے ناواقفیت کی وجہ سے نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ یعنی

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے

آپ اپنے دل سے، اپنے ضمیر سے اور خود اپنی عقل سے پوچھئے کیا ایسا حفظ قرآن خدائے ذوالجلال کی نگاہ میں قابل قبول ہوسکتا ہے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے وہ علماء محترم اس ضمن میں ضرور سوچیں جو فقہ کے ایکسپرٹ تیار کرنے کے لئے تو وسائل کا خوب استعمال کرتے ہیں مگر قرآن کا حافظ تیار کرنے کے لئے مدرسے کی مسجد اور عربی زبان و ادب و تفسیری علوم سے یکسر ناواقف اساتذہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ انہیں عظمت قرآن کی خاطر حفظ کے لئے ایک متعین عمر اور علاحدہ بنیادی تعلیمی نصاب مرتب کرنا ہوگا تاکہ حفظ قرآن کا اصل مقصد حاصل ہوسکے۔ انہیں عوام الناس کی بھی رہنمائی کرنی ہوگی کہ فقط حفظ کرانا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے اور والدین کو بھی طے کرنا پڑے گا کہ انہیں 'حافظ گریجویٹیڈ بیٹا' چاہئے، 'حافظ ڈاکٹر بیٹا' چاہئے، 'حافظ انجینئر بیٹا' چاہئے یا ایسا بیٹا چاہئے جو بیک وقت قرآن کا حافظ، قرآن کا عالم اور قرآن کا داعی ہو؟

(9899566715)

❁ ❁ ❁

مکی سورتوں میں

انور جمال قاسمی مظفر پوری

امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر

خالق کائنات نے دنیا اور اس کے اندر کی جاندار وغیر جاندار، مرئی وغیر مرئی مخلوقات انسان کی خدمت ومصالح کی غرض سے پیدا کیا، جس کا مشاہدہ وتجربہ آئے دن وہر آن انسان خود کررہا ہے، بلکہ وہ اشیاء جس کی تسخیر اور اس سے استفادہ کرنا ماضی بعید میں انسانی دنیا کے خواب وخیال میں نہ تھا، مگر آج تاریخ میں جدید دنیا کی فلک بوس عمارتیں اس کی غیر معمولی فائدے پر کھڑی ہوئی ہیں۔

انسان جس کی تخلیق کے سبب پوری کائنات نے وجود کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا، قرآن کے الفاظ میں ''**ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر و رزقنا ھم من الطیبٰت و فضلنا ھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**'' (بنی اسرائیل) پھر اس کے تخلیق کی غایت کیا ہے؟ اسے کیا کرنا ہے؟ کس طرح زندگی گزارنا ہے؟ اس کی حیات کا نصب العین کیا ہونا چاہئے؟ اس طرح کے سوالوں کے جواب کی تلاش میں دنیا کے بڑے بڑے حکماء، فلاسفر، مشائیوں واشراقیوں نے اپنی عمریں کھپادیں، پھر بھی انہیں نہ اس کا صحیح جواب ملا اور نہ وہ دوسروں کے صحیح جوابوں کی تصدیق کی۔ فضل وافضل۔

اسی معمے کے حل اور انسان کو اس کے تخلیق کی غایت، اس کی حیات کا نصب العین بتانے کے مقصد سے اللہ تعالیٰ ابتداء آفرینش سے اپنا مخصوص بندہ و پیغامبر مع دستور حیات کتاب کے بھیجتا رہا ہے، قبل از تاریخ اور اس کے بعد کوئی قوم و امت بغیر اللہ کے نبی ورسول کی بعثت کے نہیں گزری ہے۔ ''**ان من امة الا خلا فیھا نذیرة**'' یہ اس کتاب کا دعویٰ ہے، جس کا موضوع تاریخ نہ ہونے کے باوصف اس کے ایک جملے کی نظیر ایک دو نہیں ہزار ڈیڑھ ہزار صدیاں بیت جانے پر بھی آج تک دنیا نہ پیش کرسکی اور نہ اس کے کسی بیان کی تغلیط وتردید کی جرأت کرسکی۔

لیکن انسانی تاریخ کا یہ عجیب حیرت خیز المیہ رہا کہ جب جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں اس جنس کے پاک زبان و صاف کردار انسان بھیجا اور اس نے انسان کے تخلیق کی غایت، مقصد زندگی اور زندگی گزارنے کا طریقہ زبان وعمل سے بتایا، تو اس کے گھر خاندان اور پوری سماجی دنیا نے ان کی باتوں پر نہ کان لگایا، نہ بے مثال صاف ستھری سیرت وکردار کے مالک انسان کی بے لوث اصلاحی کوششوں کی قدر کی، بلکہ انکی باتوں کا مذاق اڑایا، کبھی ساحر وجادوگر بتا کر ان کے درپۂ آزار ہوئے اور انھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا، **وکذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا اٰبآء نا علی امة وانا علی اٰثرھم مقتدون**'' (۲۳/زخرف)

انسانوں کی سب سے اکمل ومنزہ ترین جماعت انبیاء کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ دنیا کی قدیم ترین ''بستی'' مکہ میں پیدا ہوئے اور اس قوم میں مبعوث ہوئے، جس میں آپ سے پہلے کوئی نبی ورسول نہیں آیا تھا، **لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون، بل ھو**

الحق من ربک لتنذر قوما ما اتٰھم من نذیر من قبلک لعلھم یھتدون. (سجدہ)

آپ نے اپنی قوم کو وہی آواز و پیغام دیا جو تمام انبیاء کی تھی اور آپ کی قوم نے اس کا وہی جواب اور ویسا ہی برتاؤ و سلوک کیا جو سابقہ انبیاؤں سے ان کی قوم نے کیا تھا، لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاؤں کا سردار، خاتم النبین، اور ساری کائنات کا بشیر و نذیر بنایا تھا۔ ''وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا'' آپ نے اپنی مخاطب قوم کی ہر طرح کی بدسلوکی و بدتمیزی برداشت کرنے کا عزم کرلیا، جو صرف آپ ہی کا حصہ تھا، جس کو قرآن کریم نے اپنے صفحات میں تا قیامت محفوظ کر دیا ہے۔

مکے میں آپ کی بعثت کی تیرہ سالہ زندگی کو دعوت وارشاد کے اعتبار سے چار درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس درمیان میں نازل ہونے والی سورتوں کو اس کے مضامین اور بیان حالات کے رو سے چار مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یہ سورتیں بڑی حد تک آپ کے دعوتی مرحلے، قوموں کے جواب، اس سے پیدا ہونے والے حالات، آپ اور آپ کے احباب جاں نثار کے صبر و تحمل، ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتی ہیں، ان تیرہ سالہ مکی سورتوں کے اشاراتی بیان و مضامین کی روشنی میں کوئی سیرت نگار آپ کی مکی دور کی سیرت تیار کرسکتا ہے؛ بہ ایں وجہ اب ہم نزول کے ترتیب زمانی سے قطع نظر آپ کے دعوتی مراحل میں پیش آنے والے حالات و معاملات کے بیان اترنے والی سورتوں کو مرحلہ وار پیش کریں گے۔

پہلا مرحلہ:

۱ر نبوی تا ۳ر نبوی، یعنی تقریباً تین سال۔ اس میں دعوت خفیہ رہی، خاص خاص آدمیوں کو دی جاتی، اس کا مرکز دار ارقم ابن ارقم کوہ صفا کے دامن میں تھا۔

دوسرا مرحلہ:

۴ر نبوی تا ۵ر نبوی یعنی دو سال، اس میں دعوت مشرکین مکہ کے استہزا، مذاق، تضحیک، دعوت کے خلاف جھوٹے پروپگینڈے اور غریب و بے یار و مددگار مسلمان پر دست درازی میں داخل ہوگئی۔

تیسرا مرحلہ:

۶ر نبوی تا ۱۰ر نبوی یعنی پانچ سال، اس میں دعوت ،آغاز فتنہ، ظلم و ستم، مخلصانہ گروپ بندی، معاشی و معاشرتی بائیکاٹ و ناکہ بندی میں داخل ہوگئی۔

چوتھا مرحلہ:

۱۰ر نبوی تا ۱۳ر نبوی تقریباً تین سال، اس میں دعوت انتہائی سخت مصائب و آلام میں آ گئی، اس کے متبعین پر سخت ظلم و تشدد ہونے لگے، مکہ انہیں اب برداشت کرنے کو تیار نہ تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے بڑے قبیلے ثقیف وغیرہ اور مکہ کے قرب و جوار کے قبائل سے اپیل کی مگر ہر طرف سے اذیت ناک برتاؤ و دل خراش انکار ملے۔

اب ان چاروں مرحلوں میں نازل ہونے والی سورتوں کی اس کے مضامین کی حیثیت سے تعین اور اس میں امم ماضیہ کے بیان کا پس منظر کا سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دعوت کا پہلا مرحلہ:

اس کے تین سالہ زمانے میں دعوت اسلام ابتدائی و خفیہ دور میں تھی، مکہ اسلام کے بنیادی عقائد سے ناواقف تھا، کعبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے محدود قوت و اختیار کی معرفت رکھتا تھا، شجرہ و انساب میں ید طولیٰ رکھنے کی وجہ کر حضرت اسمٰعیلؑ و

ابراہیمؑ کو اپنا جد اعلیٰ تصور کرتا تھا، لیکن اس کے علاوہ اللہ کی وحدانیت اور اسی کو مستحق عبادت تصور کرنا، حشر ونشر، ملائکہ، رسول، جنت و دوزخ، برزخ و عذاب قبر، مرکر دوبارہ زندہ ہونے، قیام میزان اور دنیاوی زندگی کا حساب دینا وغیرہ اس کی سمجھ سے بالاتر شئ تھی۔

اس کا تقاضہ تھا کہ ان عقائد کو ایسی چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اس کے مختصر آیتوں کے دل نشیں جملوں میں پیش کیا جائے، چونکہ یہ انسانی قلب و ذہن میں بہ آسانی اتر جاتی ہیں، نفس و روح میں پیوست ہوجاتی ہیں، رگ و ریشہ میں سرایت کرنے سے نہیں رکتیں اور انسانی فکر ونظر کو مبذول کر کے انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں، اس لئے اس پہلے مرحلے کی قریب قریب تمام سورتیں چھوٹی مختصر آیتوں والی ہیں، ان تمام کے مضامین اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، یہ کل سورتیں چوبیس ہیں، جو بلاترتیب زمانی یہ ہیں. **علق، سجدہ، طور، ملک، مزمل، قیٰمة، مرسلٰت، تکویر، انفطار، اعلیٰ، بلد، الضحیٰ، الم نشرح، التین، القدر، العٰدیٰت، القارعة، التکاثر، العصر، الھمزة، الفیل، القریش، الاخلاص، المدثر۔**

ان سورتوں کا مرکزی مفہوم اللہ کی وحدانیت کے دلائل، اسے ہی تمام طاقتوں کا مالک، کائنات کا خالق، مدبر ومنتظم ہونے کے تصور اور اسے ہی ہر عبادت کے لائق ہونے کے براہین کو شامل ہے، قیامت کا وقوع، اس کی ہولنا کی، عالم برزخ، عذاب قبر، دنیاوی زندگی کے بعد عالم آخرت کے وقوع کے بیان کو محیط ہے؛ اسلام کے یہ عقائد انسان کی سیرت وخصلت، عادات وافعال، قلب ونفس اور نظر وفکر کی اصلاح اور اس کے اندر خیر ونیکی کے جذبہ پیدا کرنے میں بڑا مؤثر واقع ہوا ہے، اسی وجہ سے دعوت وارشاد کے اس ابتدائی ماحول میں انہی امور کو موضوع سخن بنایا گیا اور دل نشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسرا مرحلہ:

دعوت وتبلیغ کا یہ تین سالہ خفیہ دعوتی پروگرام تیسرے سال کے نصف آخیر میں حضرت حمزہؓ وعمر فاروقؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد دعوت دوسرے مرحلے میں داخل ہوکر مکہ کی عام فضاؤں میں آگئی اور خدا کی مشیت نے بھی اب اسے عام کر دینے کی وحی فرمادی ’’**وانذر عشیرتک الاقربین**‘‘. اسلام کی آواز و پیغام مکہ کے گلی کوچوں میں سنائی دینے لگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اس کا موضوع سخن بن گئے، فتنے کا آغاز ہوا، استہزا، مذاق، تضحیک، الزامات، سب وشتم اور آپؐ کے خلاف جھوٹے پروپگینڈے کی شروعات ہوگئی، غریب و بے یارو مددگار مسلمانوں پر دست درازیاں ہونے لگیں، ان دوسالوں میں نازل ہونے والی کل سورتیں اٹھائیس ہیں۔ یہ سورتیں پہلے مرحلے کی سورتوں کے بہ نسبت بڑی ہیں، اس کی آیتیں بھی بڑی ہیں، ان سورتوں کے مضامین، توحید، رسالت، کتاب اللہ، قیامت، ملائکۃ اللہ، برزخ، حشر ونشر، جنت و دوزخ وغیرہ ہیں۔ ان مضامین کو ذہن نشیں کرانے اور دل میں جاگزیں کرنے کی غرض سے انداز بیان عموماً تفصیلی ہے، ان امور کی تفہیم میں وہ قدرتی و فطری اشیاء وحالات کا استعمال ہے، جس سے بادیہ نشیں عربوں کا ہمہ وقت سابقہ ہوتا تھا، وہ اسے دیکھتے ومحسوس کرتے تھے، ان کی ضروریات زندگی کی تکمیل اس پر موقوف تھی، وہ اسے برتتے و استعمال میں لاتے تھے، اس کے علاوہ اس مرحلے کی سورتوں میں قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو معاندانہ طرز عمل کا آغاز کیا تھا، اس کی سخت لفظوں میں تردید اور ان کے ارد گرد کی امم ماضیہ کے مثالوں سے اس کی بیہودگی کو ثابت کیا ہے۔

اس مرحلہ کی کل اٹھائیس سورتوں میں سے تیرہ سورتوں میں ان قوموں اور ان کے انبیاء کا ذکر ہے، جن کے مسکنوں، بستیوں اور کھنڈروں سے ان کی آمد ورفت تھی، وہ کسی نہ کسی حیثیت میں اس کی جانکاری بھی رکھتے تھے اور ان سے مکیوں کے دیرینہ روابط وتعلقات بھی تھے، وہ سورتیں بلاترتیب زمانی کے یہ ہیں: الصٰفٰت، المومن، حٰم السجدہ، الحاقہ، نوح، المومنون، الفرقان، الذٰریٰت، العنکبوت، قٓ، السبا، النٰزعٰت، الشمس.

ان سورتوں میں بیان کردہ امم کا ذکر مختلف مقاصد کے لیے آیا ہے، الصٰفٰت میں ۶ رقوموں: قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ، اہل سدوم، فرعون وموسیٰ، قوم الیاس ویونس بہ طور مثال آئی ہے، اس سے مکی کفار کو بتانا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نئے ڈرانے والے رسول نہیں ہیں، ان سے پہلے بھی تمہارے اردگرد کی بستیوں میں ہلاک شدہ قوموں کی ہلاکت کا اصل سبب ان قوموں کا اپنے انبیاؤں کے خلاف وہی معاندانہ طرز عمل تھا، جو آج تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنائے ہوئے ہو، اسی کی دوسری سورہ مومنونؔ میں منکرین ومکذبین اقوام کے حالات دیکھائے ہیں، اپنے اندر مبعوث نبی کے انکار، کذب اور ان کے خلاف افترأ و عداوت کا انجام فرعون وحضرت موسیٰ کے تفصیلی تذکرہ سے مکی مشرکین کو متوجہ ومتنبہ کرنا مقصود ہے اور اس کے ضمن میں اسلام کے پیغام کو بگوش ہوش سننے ودھیان دینے کو کہا گیا ہے، ''اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین کانوا من قبلهم، کانوا اشد منهم قوة و اثارا فی الارض، فاخذهم الله بذنوبهم و ماکان لهم من الله من واق۔'' لیکن ''حم السجدہ'' جو پانچ نبوی کے آخیر زمانہ کی سورہ ہے، اس میں قرآن کا لہجہ مشرکین مکہ کے تئیں سخت ہے، انہیں وارنگ دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے، چونکہ مکہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی بڑھتی تعداد نے دست درازی وظلم وستم پر آمادہ کر دیا تھا، اس لیے قرآن نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: اگر مکہ اللہ کی عظیم الشان آیات سن کر ایمان کی طرف مائل نہیں ہوتا اور توحید ورسالت کے اقرار سے اعتراض پر اڑا ہوا ہے، تو وہ اپنے طرز عمل سے اپنا انجام قوم عاد وثمود اور دیگر قوموں کے طرز عمل وانجام میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی تناظر میں سورہ حاقّہ میں پانچ قوموں عاد، الثمود، فرعون، سدوم اور قوم نوح کا ذکر ہے، ان قوموں کی ہلاکت کی تباہی وبربادی سے قیامت کے وقوع پر دال کیا گیا ہے اور اس کی ہولنا کی وزہرہ گدائی کے ناممکن تصور کی پرچھائی ان قوموں کی ہلاکت میں کسی قدر محسوس کی جاسکتی ہے، لیکن سورہ المومنون میں قوم نوح وفرعون اور حضرت موسیٰ کے بیان سے قرآن کا مقصد اہل مکہ کے روبرو اللہ کی اس رحمت کا اظہار کرنا ہے جس اللہ نے انسان کی جسمانی ضروریات کا انتظام فرمایا ہے اور اس سے انسان فائدہ حاصل کر رہا ہے، اس سے اس کے جسم وجان کی بقا ونشو ونما، حفاظت وصیانت ہوتی ہے، اسی طرح خالق کل نے اپنی رحمت سے انسان کے روحانی حوائج کا انتظام ابتداء دنیا سے وحی ورسالت کے سلسلہ کے قیام میں کیا ہے۔ جس قوم نے صرف جسمانی ضروریات سے فائدہ حاصل کیا اور روحانی حوائج سے انکار کیا ہے، تو اس کا انجام قوم نوح وفرعون کی شکل میں تم اہل کتاب سے سنتے اور دیکھتے ہو۔ ان سورتوں کے علاوہ سورہ فرقانؔ میں پانچ قوموں کی ہلاکت کا اصل سبب ان قوموں کا اپنے نبی ورسول سے مسلسل معاندانہ عمل رہا ہے، اسی وجہ سے اس سورہ کا طرز بیان انتہائی سخت ہے، مہلکہ قوموں کے بیان والی سورتوں میں ایک الذریٰتؔ ہے، اس کے اندر قرآن کو کلام اللہ ہونے اور قیامت کے وقوع ہونے میں شک وشبہ کا

ابطال اس طرح کیا ہے کہ انسان کو جب اپنے نطق میں شک و ریب نہیں ہوتے تو پھر اسے قرآن اور قیامت کے وقوع میں شک کرنا اس کی کم عقلی ہے اور اسی کم عقلی کے سبب مکہ کے قرب و جوار کی چھ قومیں: قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ، سدوم، فرعون، عاد و ثمود اپنے نبی کی رسالت و قیامت کے انکار سے فنا ہو چکی ہے؛ اس لیے اہل مکہ مشرکین کا بالقصد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت کے انکار سے اپنی کم عقلی کا مظاہرہ کر کے خود کو قعر جہنم میں ڈالنا اچھا نہیں ہے، سورہ نوحؔ کے پورے مضامین میں حضرت نوحؑ کی دعوتی سرگرمیاں، اس کے لیے آپ کا مختلف انداز اختیار کرنا اور اس کے جواب میں ان کی قوم کا معارضانہ رویہ اور پھر اس کے انجام میں اس کا غرق کئے جانے میں اہل مکہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنائے ہوئے ظالمانہ روش کے انجام کو دیکھنا چاہئے، اسی سلسلے کی ایک اور سورہ العنکبوتؔ ہے، اس کا انداز بیان بہت سخت و تیکھا ہے، اس کے الفاظ و تراکیب میں بلا کی شدت ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی صاحب جبر جبروت بادشاہ غیظ و غضب میں اپنے مخالفین کو دھمکی آمیز الفاظ سے مخاطب کر رہا ہے، چونکہ عنکبوت کے نزول تک مکہ کی سختیاں مسلمانوں پر انتہا کو پہنچ رہی تھیں، کمزور مسلمان مکہ ترک کرنے اور حبشہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، گویا ان لوگوں نے نوح وسفینۂ نوح کی تاریخ دہرائی اور اس کے برخلاف سات امم ماضیہ کی تاریخ تباہی سنا کر کفار مکہ کو ہوش میں آنے کی وارننگ دی ہے۔ سورہ قؔ میں منکرین رسالت قوم کو قیامت کے وقوع کی دلیل بے آب و گیاہ چٹیل میدان سے دی ہے، ایک مردہ زمین جس میں کوئی پیڑ و پودے نہیں ہوتے، مگر جب بارش ہوتی ہے، تو وہ میدان و زمین سبزہ زار ہو جاتی ہے، اس کا مشاہدہ مکہ والے روز کرتے ہیں تو کیا انہیں اتنی آسان بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ مردہ مٹی میں مل کر جب مٹی ہو جائیں گے، تو وہ بھی حشر کی بارش حیات سے توانا انسان بن کر دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ ایسی سادہ باتوں کو مان کر بہت سی قوم زندہ جاوید ہو گئیں مگر اس سے کہیں زیادہ اقوام: قوم نوح، اصحب الرس، ثمود، فرعون، سدوم، اصحب الایکہ اور قوم تبع اس کی، تکذیب سے مٹادی گئیں ہیں۔ اس مرحلے کی سب سے آخری سورہ سبؔا ہے۔ اس کے تعلق سے علامہ عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

''یہاں ایک معرض و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر ہے، جو بڑے عیش و رفاہیت، خوشحالی و فارغ البالی کے بعد کفر و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی، یہ قوم یمنؔ کی بڑی دولت مند اور ذی اقتدار قوم تھی، جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی ہے''۔

یمن سے اہل مکہ کا قدیم تجارتی تعلق تھا، ان کی تباہی و بربادی کے واقعہ بھی وہ دیکھ چکے تھے، وہاں کی تباہی سے خانماں برباد قبائل ان کے علاقے میں آباد ہو چکے تھے، اس سے مکہ کے مشرکین کو عبرت لینا چاہئے کہ اللہ نے ان پر بھی بے شمار انعام کے دروازے وا کئے، مگر اس کے اندر مبعوث، اللہ کے نبی سے کفر وعناد کے سبب وہ بھی اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔

تیسرا مرحلہ:

آغاز فتنہ ۶/ نبوی سے خواجہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات ۱۰/ نبوی تقریباً پانچ سال، اس میں مخالفانہ جتھ بندی ہوئی، ظلم و ستم میں شدت آئی، مکے کی ہر نئی صبح مسلمانوں پر نئے مظالم و مصائب لے کر آتی اور ہر شام نئے جبر و تشدد کا آلارم دیتی، دعوت اسلامی کے راستوں کو مسدود کرنے کے مشورے ہونے لگے، اسلام سے برگشتہ کرنے کی غرض سے سماجی و نفسیاتی دباؤ ڈالنے میں ہر طرح کے حربے استعمال ہونے لگے۔

دوسری طرف آپ کی دعوتی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی، آپ دن و رات اس کی فکر میں رہتے، مکہ کے جاہلانہ عقائد، خیالات، کافرانہ رسم و رواج پر کھل کر تنقید کرنے لگے، قرآن نے ان کے بتوں و معبودوں کی بے چارگی کی بے لاگ مذمت کی، خواجہ ابوطالب کے پاس مکہ کا مصالحاتی وفد ہر بار جا کر ناکام واپس آ رہا تھا، ایسی صورت حال میں اللہ کا پیغام ''**ھذا کتاب انزلنٰہ مبٰرک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القریٰ ومن حولھا**'' نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوتی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا اور آپؐ اس حکم کی تعمیل میں سرگرداں رہنے لگے۔

اس تیسرے مرحلے میں کل انیس طویل سورتیں نازل ہوئیں: **یونس، ھود، کھف، مریم، دخان، جاثیہ، قمر، طارق، بروج، یٰس، لھب، کوثر، زخرف، لقمان، طٰہٰ، جن، شعراء، قصص اور نمل**۔ ان میں گیارہ سورتوں میں دین برحق کے مقابلہ میں محاذ آرا ہونے والی قوموں وامتوں کی محاذ آرائی کے نتائج بد کا تفصیلی بیان آیا ہے، جو اپنے کفر وعناد کے سبب اللہ کے مختلف عذاب وعتاب کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں۔

سورۂ یونسؑ میں قوم نوح اور فرعون کا بیان ہے، ان دونوں قوم کو ان کے جلیل القدر دو نبی کی سخت عداوت و دشمنی اور کفر شرک کے سبب غرق آب کئے جانے کا بیان مکیوں کو سنانا ہے، تا آنکہ وہ خاتم الانبیاء کی تکذیب وعداوت اور اپنی مشرکیات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے، ہودؑ میں دو جماعت مسلمان و مشرکین کی مثال اعمی، اصم اور بصیر و سمیع سے دی ہے۔ دین برحق کی پیرو جماعت بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تمیز کر کے عذاب خدا سے ہمیشہ کے لیے اخروی نجات حاصل کر لیتی ہے، اس کے برخلاف اندھے و بہرے لوگ جو بصیرت سے خالی اور حق بات سننے کی سماعت ان میں نہیں ہوتی، وہ خدا کی دائمی پکڑ میں آ جاتے ہیں۔

اس سے ان مکی مشرکین کو قوم نوح، عاد، ثمود، سدوم، مدین اور فرعون کا واقعہ سنانا، جنہوں نے اپنے انبیاؤں کی نہ حق بات پر کان دیا اور نہ حق بات انہیں نظر آئی، تو وہ اپنے عمل شنیع سے اللہ کے عتاب کا مورد بن گئی۔ سورۃ مریمؑ اس میں چند انبیاؤں کا ذکر معجزانہ انداز میں ہے، یعنی ان انبیاؤں کی پیدائش، ان کی حیات وغیرہ خود معجزہ ہے، اس بیان میں دراصل مشرکین کا آپؐ سے معجزہ طلب کرنے کی تردید ہے، انہیں بتایا گیا ہے کہ ان انبیاؤں کے حالات، ان کی ولادت وغیرہ میں تمہیں معجزے کیا نظر نہیں آتے، کہ وہ بغیر باپ اور بوڑھی بانجھ ماں کے شکم سے کیسے پیدا ہوئے، آخر یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟ پھر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر معجزہ طلب کیوں کرتے ہو، اگر اس واضح دلائل کے بعد بھی تم محمدؐ کی رسالت اور قرآن کے کلام خدا ہونے پر ایمان نہیں لاتے تو تمہارا انجام انہیں قوموں جیسا ہو سکتا ہے۔

دخانؔ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ظلم وستم، جبر تعدی سے دل گیر ہو کر ان کے حق میں بددعا فرمائی تا آنکہ وہ نرم پڑیں اور پیغام خدا کی طرف متوجہ ہوں، آپؐ کی بددعاؤں سے ان پر سات سالہ قحط پڑا، پھر بھی اہل مکہ کے قلوب نہ نرم ہوئے اور نہ وہ اپنی سرکشی سے باز آنے پر تیار نظر آئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکی آمیز انداز میں خبردار کیا: ''**ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون**'' اس کے ہلاکت کی تفصیل دیکر مزید کہا: **اھم خیر ام قوم تبع والذین من قبلھم اھلکنٰھم انھم کانوا مجرمین**'' (۳۷/ق)

سورہ قمرؔ میں بتایا گیا کہ قیامت کے روز اس کی

ہولنا کی سے گھبرا کر منکرین خدا کہیں گے ''ھذا یوم عسرۃ'' اس کے بعد قرآن پانچ قوم؛ قوم نوع، عاد وثمود، اہل سدوم اور فرعون کی ہلاکت وتباہی سنا کر تمام مکذبین رسالت وقیامت کو بتانا چاہتا ہے، کہ اس کی پرچھائیاں دیکھنا ہو تو ان جیسے ان منکرین خدا کی ہلاکت میں دیکھ سکتے ہو۔

زخرف، اس میں موسیٰؑ وابراہیمؑ کے بیان سے بتانا ہے، کہ ہم نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت واطاعت کی اجازت نہیں دی اور نہ ہمارے مبعوث پیغامبروں نے اس کی دعوت وتبلیغ کی ہے جن قوموں نے اللہ کے سوا جمادات ونباتات کی پوجا کی، تو اس کا شرم ناک انجام ان قوموں کی ہلاکت میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

طٰہٰ، میں حضرت موسیٰ وفرعون کے بیان میں دین کے داعی اور دشمن دین کے درمیان کی طویل داستان المناک وتفصیل سے ہے، یہ مشرکین مکہ کو سنا کر انہیں درس دینا ہے کہ فرعون اپنے جلیل القدر رسول کی نافرمانی وتکذیب سے غرق نیل ہوا، تو تمہیں اپنے اندر مبعوث خاتم الانبیاء کی دعوت دین کے تعلق سے اپنے برتاؤ، تکذیب اور عداوت کے تئیں غور وفکر کرنا چاہئے۔

شعرا: اس کے اندر چھ اقوام کی ہلاکت کے بیان میں یہ دکھانا ہے کہ کسی قوم کی تکذیب وعداوت دین پر فوری گرفت نہیں ہوتی، تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ دشمنان دین ٹھیک راستے پر ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے امہال ہوتا ہے مگر پھر اس کو عداوت دین پر سزا مل کر رہتی ہے۔ مشرکین کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اختیار کئے گئے جابرانہ سلوک پر اگر فوری پکڑ نہیں ہورہی ہے، تو اس سے وہ خوش فہمی میں نہ رہیں؛ وہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے۔

قصص: اس کے اندر پانچ قوموں کی ہلاکت کے بیان سے کفار مکہ کو ہوشیار کرنا ہے کہ جس طرح تمہارے قرب و جوار کی ان مہلکہ اقوام نے خود کو غالب وطاقتور تصور کر کے اپنے نبی ورسول اور ان کے متبعین کو کمزور سمجھ کر ان پر ظلم وستم ڈھانے میں کمی نہیں کی، مگر آج اہل بصیرت دیکھ رہے ہیں کہ طاقتور ہلاک ومٹ چکے اور کمزور وناتواں غالب ومنصور ہو کر زندہ وجاوید بن گئے ہیں، اس پر تم بھی خوب سوچ لو۔

چوتھا مرحلہ:

۱۰ر نبوی سے ۱۳ر نبوی تک، تقریباً تین سال، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی مصیبت و تکلیف کا زمانہ تھا، ان کے بہ ظاہر دو معین ومددگار خواجہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو چکی تھی۔ مشرکین مکہ ابوطالب کی شخصیت سے خائف ضرور رہا کرتے تھے، مگر اب انہیں کھلی چھوٹ تھی، اس لئے وہ آپؐ اور مسلمانوں کو برداشت کرنے پر تیار نہ تھے، آپؐ کو جسمانی وذہنی تکلیف پہنچانے میں ہر طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے، وہ آپؐ سے بے تکے معجزے کا مطالبہ کرتے ''وقالو لن نومن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعا، اوتکون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانھٰر خللھا تفجیرا، او تسقط السمآء کما زعمت علینا کسفا اوتاتی باللّٰہ والملئکۃ قبیلا، او یکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السمآء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتبا نقرؤہ'' اسی طرح دیگر معجزے وغیرہ طلب کرتے اور آپ کو دق دیتے، آپ مکی کفاروں کی انتہائی سرکشی سے تنگ آ کر مکہ سے طائف گئے، وہاں بھی آپ کو مکہ سے کسی قدر بھی کم تکلیف والم کا سامنا نہ ہوا، حج کے موقع پر عرب کے ایک ایک قبیلہ سے آپؐ نے اپیل کی، مگر ہر طرف سے انکار وسکوت ہی ملا۔

مکہ کے آخری دور کی سورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر ہورہے ظلم و تعدی اور تنگ ہوتی ہوئی زمین کے تناظر میں اس دور میں نازل ہونے والی گیارہ سورتیں ہیں، یہ سورتیں کافی طویل ہیں، ان کی آیتیں لمبی ہوتی ہیں، ان کے اندر مکہ کے آخری مرحلہ کے انتہائی بگڑے حالات کے آثار صاف نمایاں ہیں، مشرکین مکہ کو ان کے اس طرز عمل پر سخت لفظوں میں زجر و توبیخ ہے، ان گیارہ سورتوں میں سے سات سورتوں میں گزری مہلکہ قوموں کا بیان ہے، بلا ترتیب سورہ اعرافؔ میں قوم نوح، عاد ثمود، سدوم، مدین اور فرعون مصر کا بیان کافی تفصیل سے آیا ہے، جس کا پس منظر یہ ہے کہ بارش سے لائق زمین سرسبز و شاداب ہوکر فائدہ مند بنتی ہے، اسی طرح بنجر و روئیدگی سے خالی زمین کو اس سے کوئی فائدے نہیں ہوتے، اسی طرح انبیاؤں کی بعثت سے اچھی استعداد کے لوگ ان کی آواز پر لبیک کہہ کر دنیا و آخرت دونوں کو سود مند بنالیتا ہے اور بری استعداد کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا انکی وہ مخالفت کرکے اپنی دنیا و عاقبت دونوں خراب کر لیتے ہیں۔

سورہ یوسفؔ: اس میں حضرت یوسفؑ اور برادران یوسفؑ کی مثال دے کر بتانا ہے کہ جس طرح برادران یوسف حضرت یوسفؑ کو بہ ظاہر اپنے خیال میں بئر کنعانؔ میں ڈال کر صفحۂ ہستی سے مٹا چکے تھے، لیکن خدا کی قدرت و مصلحت سے کئی سالوں بعد وہی برادران ان کے سامنے سجدہ ریز ہوکر ان کی رعیت بن کر اپنے پر مجبور ہوئے، یہی پوزیشن اہل مکہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، مشرکین مکہ ان کو مٹانے کی تدبیر میں ہیں، لیکن وہ وقت دور نہیں کہ مشرکین مکہ ان کے سامنے مغلوب ہو کر ان کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

سورہ ابراہیم: اس میں عراق کے کوہ آرارات کے وسیع خطوں کی قوم نوح، عاد اور ثمود کا ذکر ہے، ان کی اپنے نبی کے تعلق سے جو سوچ و عمل تھا اور اس کے لیے وہ جو تدابیر کر رہے تھے، وہی فکر و سلوک مشرکین مکہ اپنے نبی اور رسول کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن ان قوموں کے طرز عمل کی جو سزا مشرکین کے آنکھوں کے سامنے ہے، اس سے ان کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔'' **فانظر کیف کان عاقبة**، الخ

سورۂ حجر، احقافؔ، قمرؔ اور صٓ، یہ تمام سورتیں طویل ہیں، بیان بہت سخت ہے، انداز تخاطب میں زجر و ڈانٹ صاف نظر آتی ہے، مشرکین مکہ آپؐ کے خلاف جو خطرناک و گھناؤنا سلوک اختیار کرنے کا مشورہ کر رہے تھے، قرآن اسے حضرت صالح کی قوم کے طرز عمل کے ذریعہ اہل مکہ کو متنبہ کر رہا ہے اور واضح لفظوں میں خبردار کر دیا کہ صالح کی قوم کا نتیجہ تمہارے قریب کھنڈروں کی شکل میں موجود ہے، اس سے تم بھی نتیجہ اخذ کرکے اپنے طرز سلوک پر غور کرو'' **وکان فی المدینة سعة**''الخ

یہ نبی کریم ﷺ کے قتل کے مشورہ اور اس سلسلے میں جو سازشیں کر رہے تھے اس کا کھلا بیان ہے، آپؐ کے قتل یا دربدر یا قید کرنے کے مشورہ و سازش میں بھی حضرت صالحؑ کے مخالف نو جماعتوں کے سرداروں کی طرح مکہ کے نو سردار ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، سفیان بن حرب، عاص بن ہشام، السود بن مطلب بن اسد، عاص بن وائل اور منبہ بن الحجاج بن عامر شریک تھے اور ان بدطینتوں نے ہجرت کے قبل والی رات میں آپؐ کے مکان کا محاصرہ کرکے آپؐ اور اسلام کے شدید ترین دشمنوں و مہلکہ قوموں کی لمبی فہرست میں خود کو شامل کرکے ملعون و مغضوب بن گئے۔

(09162118104)

❁ ❁ ❁

دینی مدارس میں تدریس حدیث

مولانا اشہد رفیق ندوی

تیرھویں صدی ہجری ہندستان میں علم حدیث کے باب میں انقلابی صدی کہلاتی ہے، کیوں کہ اسی زمانے میں باقاعدہ دینی اداروں کا قیام عمل میں آیا اور علم حدیث کی تعلیم و تدریس کا ایک مبسوط نظام مرتب ہوا۔ مدارس کے قیام سے پہلے ائمہ ومحدثین کے انفرادی حلقے تعلیم وتدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ م ۱۰۵۲ھ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ م ۱۱۷۶ھ نے امہات کتب حدیث کو ہندستان میں متعارف کرانے کی جس مبارک کوشش کا آغاز کیا تھا، ان مدارس نے اس عظیم الشان مشن کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ آج ہرطرف علم حدیث کا جوغلغلہ سنائی دیتا ہے، یہ انھی مدارس دینیہ کا مرہون منت ہے۔

مدارس میں تدریس حدیث

علم حدیث کے باب میں دینی مدارس کی خدمات مختلف النوع ہیں۔ مشہور بات ہے کہ نصابی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں میں علم حدیث بہت مقبول مضمون نہ تھا۔ اس وقت زیادہ تر مضامین انتظامی ضروریات کے تحت پڑھائے جاتے تھے۔ تعلیمی نصاب کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے صحاح ستہ کو متعارف کرانے کی کوشش کی، مگر ایک صدی بعد یہ کوشش حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے زمانے میں اس وقت بارآور ہونی شروع ہوئی، جب انھوں نے مروجہ علوم وفنون کا بے لاگ تجزیہ کرکے قومی وملی ضروریات کے تحت نیا نصاب مدون کیا، اس میں قرآن وحدیث کی تدریس کو بنیادی اہمیت دی اور مؤطا امام مالک کے ساتھ صحاح ستہ کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نام ور اولاد نے اسے مقبول عام بنانے کے لیے بڑے جتن کیے، مگر بعد کے ادوار میں تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ وہی نصاب مقبول رہا، جسے عرف عام میں ''درس نظامی'' کہا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں عمل میں آیا۔ اِس کے قیام کے ساتھ دینی مدارس کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ ارباب دیوبند نے تدوین نصاب کے وقت درس نظامی کی مکمل پیروی کرنے کی بہ جائے نصاب ولی اللہی کو بھی پیش نظر رکھا اور اس کا قابل قدر حصہ اپنے نصاب میں مدغم کیا۔ خاص طور سے علم حدیث کی امہات کتب کو شامل نصاب کرکے درس نظامی کو متوازن بنانے کی سعادت حاصل کی۔ اس نصاب کا امتیاز یہ تھا کہ اس میں پہلی بار اصول ستہ کو باقاعدہ جگہ ملی۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ کی تدریس کے لیے بھی گنجایش رکھی گئی، جو پہلے سے درس نظامی کا حصہ تھی۔

تحریک ندوۃ العلماء نصاب تعلیم میں اصلاح اور ''قدیم صالح وجدید نافع'' کے امتزاج کے لیے برپا ہوئی، اس نے تعلیم وتدریس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرکے ایک نیا نصاب مدون کیا۔ اس میں بھی امہات کتب حدیث کو متناسب جگہ دی گئی۔ البتہ تمام احادیث کو ایک ساتھ پڑھا دینے کی بہ

جائے طلبہ کی ضرورت ولیاقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کو پورے دورانیہ تعلیم میں پھیلا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ثانویہ خامسہ سے شروع ہوکر ۹ برس کی مدت تعلیم میں ہر سال مادہ حدیث کو ایک لازمی مضمون قرار دیا گیا۔ اس طرح ایک متوازی نصاب وجود میں آ گیا۔

مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح نے دیوبند اور ندوہ دونوں کے نصاب ہائے تعلیم کو چھوڑ کر ایک نئے نصاب تعلیم کی بنیاد ڈالی، جس کا امتیازی وصف قرآن مجید کی محققانہ تعلیم بتایا جاتا ہے۔ اس میں دیگر علوم وفنون کو قرآن مجید کی تشریح اور معاون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ ان اداروں میں بھی امہات کتب حدیث کی تعلیم کو اہمیت دی گئی اور ہر کتاب کے کچھ منتخب ابواب کو نصاب میں شامل کیا گیا۔ مدرسۃ الاصلاح میں موطا امام مالک اور جامعۃ الفلاح میں بلوغ المرام کے بالاستیعاب درس کا نظم رکھا گیا۔ البتہ جامعۃ الفلاح نے اختصاص فی الحدیث کے طلبہ کے لیے ایک مبسوط نصاب مقرر کیا ہے، جس میں متون امہات الکتب کے ساتھ تاریخ، تدوین، جرح وتعدیل، تخریج، نقد اور شبہات حول الحدیث جیسے موضوعات پر معاصر مصنفین کی کتابیں شامل کی ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس اور اس کے زیر اثر مدارس تحریک اہل حدیث کی کوششوں کا ثمرہ ہیں۔ حدیث سے خصوصی لگاؤ کی وجہ سے ان اداروں میں متن حدیث کی تفہیم کے ساتھ تاریخ حدیث، علوم حدیث اور اصول حدیث پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے اور ندوۃ العلماء کے طرز پر امہات کتب حدیث کو تمام مراحل میں تقسیم کرنے کے ساتھ مختلف جہات سے طلبہ کو علوم الحدیث سے روشناس کرانے کی نئی طرح ڈالی گئی ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا نصاب حدیث بھی ندوۃ العلماء کے طرز پر ہے۔ یہاں بھی امہات کتب حدیث وعلوم حدیث کی مختلف مراحل میں تعلیم ہوتی ہے۔

تدریس حدیث کے تین طریقے

درس نظامی کے مطابق چلنے والے مدارس میں الفیۃ الحدیث اور مشکوٰۃ عالمیت کے ابتدائی درجات میں پڑھانے کے بعد درمیانی دو برسوں میں حدیث کی بالکل تعلیم نہیں ہوتی۔ پھر آخری سال پوری طرح تدریس حدیث کے لیے مخصوص ہوتا ہے، جس میں صحاح ستہ کے ساتھ مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد کا بالاستیعاب درس ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں تقریباً چالیس ہزار احادیث ہیں، جو پانچ ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ طلبہ واساتذہ شب وروز مشقت کرکے یہ نصاب مکمل کرتے ہیں۔ اس نصاب اور طریقہ تدریس کی افادیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس طرح طلبہ کی پورے ذخیرہ حدیث پر نظر ہوجاتی ہے۔ بنیادی مسائل واحکام سے طلبہ چوں کہ پہلے سے واقف ہوتے ہیں، اس لیے متون کا سرسری اعادہ ہی مسائل کو مستحضر کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

پریس کی ایجاد سے پہلے تدریس حدیث کے ضمن میں قرأت والقاء کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ معلم ومتعلم دونوں پہلے سے پختہ علم وشعور رکھتے تھے۔ انھیں معانی ومطالب کی توضیح و تفصیل کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے لیے متون کی رواں خواندگی کافی ہوتی تھی۔ یہ نصاب شاید اسی عہد کا نمائندہ ہے۔ اس نصاب اور طریقۂ تدریس پر ہر زمانے میں شدید تنقیدیں ہوئی ہیں۔ علامہ رشید رضا مصری دیوبند کا دورہ کرکے لوٹے تو اس کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ دورۂ حدیث کے بارے میں فرمایا: پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا ابوعمار زاہد الراشدی فرماتے ہیں: ''دورۂ حدیث کے طلبہ کی غالب اکثریت

موجودہ طرز پر احادیث کے مضامین کا ادراک نہیں کر پاتی، وہ حدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ سے یوں گزر جاتے ہیں جیسے کوئی شخص نیم خوابی کی حالت میں اونگھتے ہوئے ایک باغ سے گزر جائے۔ حلقہ دیوبند کے ایک نامور عالم مولانا تقی عثمانی بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں'' دورۂ حدیث کے لیے ایک سال کے مختصر وقت میں حدیث پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں ہوتا، عموماً یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے معدودے چند ابواب تحقیق وتفصیل کے ساتھ مکمل ہو پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے، اس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ استاد وشاگرد آخر سال میں انتہائی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں، حالانکہ صحیح بخاری کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے، جسے روداری میں گزار دیا جائے''۔ (ہمارا تعلیمی نظام، ص:۵۰۱)

دوسرا طریقہ تدریس مدرسۃ الاصلاح کا ہے، جو امہات کتب حدیث میں چند کتابوں کا انتخاب اور ان منتخب کتابوں کے کچھ منتخب ابواب کی تدریس کا نظم کرتے ہیں۔ تاریخ و تدوین کے موضوعات پر لکچرز کا اہتمام ہوتا ہے اور اصول حدیث کے موضوع پر ایک بہت مختصر رسالہ تیسیر اصول الحدیث مرتبہ مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی شامل نصاب ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا اس مکتبِ فکر کا امتیازی وصف قرآن مجید سے شدت اعتناء ہے۔ نصاب تعلیم میں اسے مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ احادیث کی جانب اعتناء میں کمی کا ہمیشہ اس پر الزام عائد ہوتا رہا ہے۔ حدیث کے نصاب میں انتخاب در انتخاب کی پالیسی کی وجہ سے اسے وہ جگہ نہیں مل پائی جو اس جلیل القدر علم کا حق ہے۔ جامعۃ الفلاح بلریا گنج کا اختصاص بھی قرآن مجید کی محققانہ تعلیم ہے، مگر اس نے بالخصوص فضیلت کے درجات کے لیے بہت ہی جامع ومتوازن نصاب تیار کیا ہے، جس میں تدریس متون کے ساتھ حدیث کی تاریخ، تدوین، اصول، جرح وتعدیل، فقہ الحدیث، نقد الحدیث، شبہات حول الحدیث وغیرہ پر جتنا مواد شامل کیا ہے، شاید ہی کسی دوسرے مدرسے نے شامل کیا ہو۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نصابات میں ایک چیز مشترک ہے، وہ یہ کہ یہ مدارس تقریباً تمام امہات کتب حدیث کی تدریس کا ہر تعلیمی مرحلے میں اہتمام کرتے ہیں۔ ان اداروں میں بخاری ومسلم مکمل پڑھانے کا اہتمام ہے۔ کچھ کتابوں کا زیادہ حصہ پڑھایا جاتا ہے اور کچھ کتابوں کے منتخب ابواب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس تیسرے طبقے میں علوم الحدیث پر سب سے زیادہ توجہ جامعہ سلفیہ کے نصاب میں دی گئی ہے۔ متن حدیث کے ساتھ ہر تعلیمی سال میں ان کے یہاں اصول حدیث و علوم حدیث پر بھی کوئی ایسی کتاب ضرور شامل ہے، جو تاریخ حدیث، علوم حدیث اور اصول حدیث کی مختلف جہات پر محیط ہے۔

اِصلاحی تدابیر

مروجہ نصاب تعلیم کی متذکرہ صورت حال کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ صورت حال بالکل اطمینان بخش ہے یا اس میں مزید بہتری لانے کی گنجایش ہے۔ اگر علم حدیث کے قیمتی ذخیرے، اس سے متعلق علوم وفنون کی مختلف جہات، تقاضوں اور معاصر عہد میں تدریس وطریقہ تدریس میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا جائے تو ابھی بہتری لانے کی کافی گنجایش ہے۔

ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ہر علم میں دس سال کے اندر دوگنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ متون حدیث میں اضافے کی بظاہر کوئی گنجایش نہیں، مگر حدیث کا علم یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بل کہ اس کا

دائرہ بہت وسیع ہے۔کئی نئے علم وفن حدیث کی وجہ سے وجود میں آئے۔ پچھلی چند دہائیوں میں اس موضوع پر غیر معمولی کام ہوا ہے۔مروجہ نصاب تعلیم میں متون کی خواندگی،ان کی تفہیم وتوضیح اور کچھ اصولی مباحث کی تعلیم پر زیادہ زور ہے۔ان تحقیقات سے واقفیت کا شوق وولولہ خال خال ہی پایا جاتا ہے۔ جب کہ علم حدیث کی تدریس کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ واساتذہ کو مدرساتی تعلیمی مرحلے میں ان سے واقفیت ہوجائے۔

متون کی حفاظت اور ان کا استحضار تدریس حدیث کا محض ایک پہلو ہے۔ کچھ پہلو ایسے بھی ہیں، جن کی اہمیت کے اعتراف کے باوجود نصاب تعلیم میں ان کو مناسب جگہ نہیں مل سکی۔ نصاب تعلیم وہی مکمل ومفید مانا جاتا ہے، جس میں مضمون کا مقصد، افادیت، مطلوبہ مقدار، وقت اور طریقہ کار واضح طور پر متعین ہوں اور مشاورت کے ذریعے یہ امور انجام دیے گئے ہوں۔علم حدیث کا نصاب مقرر کرتے وقت کم از کم جن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہوسکتی ہیں:

مناسب مقدار میں متن کی خواندگی، تصحیح عبارت اور صحیح ترجمہ کی مشق (۲) منتخب احادیث کا حفظ (۳) مفردات ، تراکیب اور اشارات کی توضیح (۴) اوامر ونواہی کا استنباط اور اس کی تشریح اس طرز پر کی جائے گی کہ تعلیمات رسول ﷺ کا مدعا واضح طور پر طلبہ کو معلوم ہوجائے، اس سے اسلام کے مکمل نظام حیات ہونے کا تصور سامنے آئے اور انسانی معاشرے کے ہر گوشے میں ان سے رہ نمائی ملے (۵) عصری مسائل اور چیلنجز کا تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں شافی ومسکت جواب دینے کی مشق (۶) مسائل کے استخراج و استنباط میں قرآن وسنت کی حقیقی روح پیش نظر ہو اور جو فطری نتیجہ برآمد ہو وہی پیش کیا جائے، اس کی پوری احتیاط کی جائے کہ مسلکی تفوق ثابت کرنے کی کوشش میں روح حدیث مجروح نہ ہو (۷) امہات کتب حدیث اور ان کے عالی مرتبت مصنفین کے تعارف وامتیازات پر گفتگو (۸) علم حدیث کی تاریخ، اصطلاحات اور اصول پر خاطر خواہ مواد شامل کیا جائے، اس ضمن میں اصول جرح وتعدیل کا بھرپور اہتمام ہونا چاہیے۔(۹) حدیث کے استناد کو منکرین ومستشرقین نے مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے، طلبہ علوم نبوت کو اس کی بھرپور آگاہی دلائی جائے۔ اس کے تدارک کی تدابیر سمجھائی جائیں۔

ان نکات کی روشنی میں مذکورہ نصاب تعلیم کا تجزیہ کیا جائے تو خود بخود محسوس ہوگا کہ تدریس حدیث کے نصاب کو مزید بہتر اور مؤثر بنانے کے لے ابھی کافی گنجایش ہے۔نصاب تعلیم پر تقریباً ایک صدی سے گفتگو ہورہی ہے، مگر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہورہے ہیں۔علوم وفنون میں روز افزوں اضافے اور عصری ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر نصاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے اگر کسی گوشے سے مشورہ آتا ہے تو اسے درخور اعتناء سمجھنے کی بہ جائے مدارس کا ایک مخصوص گروہ، تابناک ماضی اور برگزیدہ شخصیات کا حوالے دے کر ان مخلصین کی نیتوں پر شبہ ظاہر کرکے قیمتی تجاویز کو مشکوک بنادیتا ہے۔ حالانکہ ماضی کی فتح مندیوں کا حوالہ دے کر مستقبل کو محفوظ سمجھ لینا مثبت اور تعمیری سوچ کی غمازی نہیں کرتا۔

نصاب سازی نظام تعلیم کا بنیادی عصر ہے، جو اب ایک مستقل علم بن گیا ہے، جس میں تعلیم و تدریس کی تمام ضروریات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر مضامین کی تعیین اور طریقۂ تدریس کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تدوین نصاب کے وقت ان ماہرین سے بھی استفادہ کیا جائے۔ تاکہ ہمارا تعلیمی نظام مزید پختہ اور فعال بن سکے۔

❁ ❁ ❁

ایک مختصر تعارف

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ

..... ● مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

یہ تحقیقی مقالہ حضرت شیخؒ کی حیات و خدمات اور آفاقیت پر وسیع اور عمیق معلومات واطلاعات پر مشتمل ہے، جسے حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری دامت برکاتہم نے ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء/۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ میں جامعہ دارالعلوم زکریا ترنول (اسلام آباد) پاکستان میں ہزاروں عوام وخواص، ملی قائدین اور علماء وارباب سیاست کی موجودگی میں پڑھا تھا۔ یہ مقالہ اپنی انفرادیت کے سبب ہر خاص وعام کیلئے بے حد مفید اور معلومات سے لبریز ہے۔ **(ادارہ)**

عالم اسلام اور دنیائے انسانیت کی عظیم علمی وروحانی شخصیت حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۱/رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ/۲/فروری ۱۸۹۸ء میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر یوپی انڈیا میں ہوئی۔

ابتدائی دینی ومذہبی تعلیم اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور چچا جان مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے حاصل کی، ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوکر اپنی دینی ومذہبی تعلیم مکمل کرکے ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں سند فراغت پائی اور پھر اسی جامعہ مظاہر علوم میں یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ / ۲۹/اکتوبر ۱۹۱۶ء میں استاذ بنائے گئے اور چند سال بعد ہی آپ نے حدیث شریف کی بڑی کتابوں کا درس دینا شروع کردیا۔

آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی اپنے زمانے کے بڑے عالم دین اور تحریک آزادئ ہند کے زبردست مجاہد اور قائدین میں تھے، تحریک خلافت میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، تحریک آزادئ ہند کے سلسلہ میں چلنے والی زبردست تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں جس طرح شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کو گرفتار کرکے مالٹا بھیجا گیا ایسے ہی آپ کو بھی بمبئی پہنچنے پر گرفتار کرکے نینی تال جیل بھیجا گیا تھا، اور پھر آپ زندگی بھر حکومت انگریز کے غیر وفاداروں میں شامل رہے۔

چنانچہ آزادئ ہند کی تاریخ میں انگریز انٹلی جینس افسران کی رپورٹ میں لکھے گئے یہ الفاظ آج تک محفوظ اور موجود چلے آرہے ہیں کہ!

''محمود حسن اور خلیل الرحمٰن (صحیح خلیل احمد) کے بارے میں یوپی سی، آئی، ڈی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں کو غیر وفادار سمجھا جاتا ہے۔ (تحریک ریشمی رومال، ترتیب حضرت مولانا سید محمد میاں مرحوم مغفور، ص:۲۰۲)

یہ ہی وہ مولانا خلیل احمد ہیں جنہوں نے مولانا محمد زکریا کی علمی اور روحانی تربیت فرماکر ان کو عمدہ اخلاق، بہترین کردار اور اعلیٰ وروشن دماغ کی ایک سلجھی ہوئی شخصیت بناکر خلافت اور اجازت عطا کی تاکہ مولانا محمد زکریا موصوف اپنے پیرومرشد کے علمی وروحانی مشن اور مقصد کو آگے بڑھائیں اور پوری دنیا میں اس کو پھیلائیں۔

مولانا محمد زکریا موصوف نے اپنے پیرومرشد مولانا خلیل احمد موصوف کی خواہش کے مطابق علمی اورروحانی دونوں لائنوں سے پوری دنیامیں اعلیٰ اقدار پر مشتمل روشن خدمات انجام دیں اور پوری دنیامیں ہندوستان کا نام بلند کیا۔

چنانچہ علمی لائن سے آپ نے پچپن (۵۵) سال تک جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور میں دینی ومذہبی تعلیم دے کر حدیث شریف کی کتاب سنن ابوداؤد شریف تیس (۳۰) مرتبہ اور صحیح بخاری شریف اکتالیس (۴۱) مرتبہ پڑھائی۔

اتنی طویل مدت تک حدیث شریف پڑھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد آسمان علم وفضل کے روشن ستارے بن کر دنیا سے جہل کی تاریکی دور نہ کررہے ہوں اور دنیائے انسانیت کو علم وعمل اور فہم وبصیرت کی روشنی تقسیم نہ کررہے ہوں۔

آپ کا امتیازی وصف چونکہ خدمت حدیث شریف رہاہے اس لئے آپ کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تلامذہ بھی بطور خاص اسی مبارک واشرف فن کی اشاعت وخدمت میں مشغول ہیں۔

اگر ایک طرف آپ کے نامور تلامذہ نے ہندوستان میں دیوبند، سہارنپور، دہلی، کانپور، ہردوئی، الٰہ آباد، لکھنؤ، مرادآباد، جونپور، بمبئی، کلکتہ، گجرات، بہار، بنگال، آسام، کیرالہ، انڈومان اورمزید ملکی جغرافیائی سطح سے آگے بڑھ کر پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، برما، نیپال، انگلینڈ، امریکہ، افریقہ، زمبیا، کناڈا میں قدیم درس نظامی کی بنیادوں پر قائم علمی اداروں میں عالمانہ آداب ووقار کے ساتھ علمی جھنڈا بلند کئے رکھا تو دوسری جانب کتنی ہی ملی تنظیموں وتحریکوں، عصری تعلیم گاہوں اور جدید افکار وخیالات رکھنے والے سرکاری وغیرسرکاری اداروں وجامعات جیسے شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، دینی وتعلیمی کونسل لکھنؤ، دارالمصنفین اعظم گڈھ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جمعیۃ علماء ہند، مجلس دعوت الحق ہردوئی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، محکمہ امور مذہبی ریاست حیدرآباد، مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، شعبۂ تاریخ ادبی سندھی بورڈ حیدرآباد پاکستان، معہد الاسلامی کراچی پاکستان، اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ بنگلہ دیش، وائس آف اسلامک پبلشنگ کمپنی رنگون برما، ادارہ تہذیب الاسلام مانڈلے رنگون برما، اسلامک ریلجس آفیرس کونسل برما، مرکزی رویت ہلال کمیٹی برما، جمعیۃ علماء برما، دارالنشر العلمیہ جوہانس برگ افریقہ، ہیئۃ الدعوۃ والارشاد جامعہ ازہر قاہرہ مصر، لجنۃ التراث والتاریخ ابو ظہبی امارات عربیہ متحدہ، المرکز الاسلامی ری یونین فرانس، رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ سعودی عرب جیسے وقیع اور باوزن

آپ کے دائرۂ قلم کی وسعت وآفاقیت پر بطور شاہد عدل آپ کی خالص دعوتی واصلاحی کتاب ''فضائل اعمال'' ہے اور جو نو کتابوں فضائل قرآن، فضائل رمضان، فضائل تبلیغ، حکایات صحابہ، فضائل نماز، فضائل ذکر، فضائل حج، فضائل صدقات اور فضائل درود شریف کا مجموعہ ہے۔

اس کتاب کی گہرائی اور گیرائی کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے اسّی (۸۰) سے زائد ادارے اور کتب خانے اس کے اردو ایڈیشن سالہاسال سے طبع کررہے ہیں، اوراب اہل دانش وبینش کا تأثر یہ ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی یہ کتاب قرآن شریف کے بعد دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جانے والی کتاب ہے۔

اداروں، تنظیموں اور تحریکوں میں بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے اور آپ سے علمی رشتہ استوار کرنے والے علماء وفضلاء دینی ومذہبی بیداری علم وحکمت کی آبیاری اور قرآن وسنت کی ضیاء پاشی وجلوہ ریزی میں مصروف ومشغول ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانان عالم کی دینی وملی رہنمائی اور سیاسی وفکری رہبری کا نازک اور اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں جیسے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افریقہ، امریکہ، انگلینڈ، زمبیا، کناڈا میں آپ کے نام پر بڑے بڑے علمی ادارے اور جامعات قائم ہیں، جن میں ہزاروں طلبہ دینی ومذہبی علوم حاصل کررہے ہیں۔

آپ کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت ومحبوبیت بلندیٔ اخلاق اور حُسن اخلاص کی بناء پر تمام ہی مدارس کے ارباب اہتمام وانتظام آپ سے اپنے اپنے مسائل ومعاملات میں مسلسل رجوع کرتے رہتے، خصوصاً ہندوستان میں موجود جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ مدرسہ شاہی مرادآباد جیسے اداروں کے ذمہ دار ارکان وارباب انتظام آپ سے مسلسل رابطہ میں رہتے اور آپ سے اپنے معاملات ومسائل میں متواتر صلاح ومشورے لیتے اور آپ اپنی خداداد بصیرت کے مطابق ان کی پوری پوری رہنمائی اور راہبری فرماتے تھے۔

پروردگار عالم کی جانب سے آپ کو گہرے علم کے ساتھ ساتھ مضبوط اور پختہ قلم بھی دیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے قلم کی طاقت سے دنیا بھر میں ایک صالح انقلاب برپا کردیا اور اپنے قارئین کو اسلامی ومذہبی ذوق وشعور کی پختگی مرحمت فرمائی۔

آپ نے اپنی زندگی میں ایک سوتین (۱۰۳) کتابیں تصنیف کیں، جن میں **لامع الدراری علیٰ جامع البخاری، الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی جزء حجۃ الوداع والعمرات، اوجز المسالک شرح مؤطاامام مالک، الابواب والتراجم للبخاری، التقریر الرفیع لمشکاۃ المصابیح** وغیرہ اپنی خداداد مقبولیت وقبولیت کی بناء پر عالمی وبین الاقوامی سطح پر پہنچ چکی ہیں، مذکورہ بالا تالیفات میں صرف ایک ہی تالیف **اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک** کے درجنوں ایڈیشن ہندوستان وپاکستان، مصر، امارات عربیہ متحدہ، سعودی عرب اور لبنان سے وہاں کے جید علماء ومحدثین کی تحقیقات وتعلیقات کے بعد مسلسل شائع ہورہی ہے۔ بقیہ کتابوں کا اشاعتی وطباعتی ریکارڈ اس سے بھی کہیں فزوں تر ہے **۔ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء**

یہاں پہنچ کر یہ ناچیز مقالہ نگار اپنے قارئین کو یہ خوشخبری سنانا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ سعودی عرب میں موجود آپ کے تلامذہ کی ایک جماعت حال ہی میں صحیح بخاری شریف پر آپ کی تمام علمی وفنی تحقیقات کو اٹھائیس (۲۸) جلدوں میں مرتب کرکے **الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری** کے نام سے شائع کرچکی ہے، اور آج یہ کتاب عالم عرب کی بے حد مقبول اور پسندیدہ کتابوں میں شامل ہے۔

نامور علماء ومحدثین نے اس کتاب کو علم حدیث کی وقیع خدمت تسلیم کرکے اس پر اپنی تقریظات تحریر کیں، اور بہت سے علمی وتحقیقی مجلّات میں اس پر وقیع تبصرے شائع ہوئے۔

یہ وقیع اور عظیم علمی کام حضرت شیخؒ کے تلمیذ خاص وخلیفۂ بااختصاص فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ حفظہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکۃ المکرّمہ سعودی عرب کی نگرانی اور توجہ سے پایۂ تکمیل کو پہونچا ہے۔

آپ کی تمام ایک سوتین (۱۰۳) تالیفات اپنے فن اور موضوع کے اعتبار سے اس طرح بھی شمار کی جاسکتی ہیں۔

علم تفسیر	پر	۲ کتابیں
علم حدیث	پر	۶۰ کتابیں
علم فقہ واصول فقہ	پر	۴ کتابیں
علم تاریخ وسیرت	پر	۲۲ کتابیں
علم تجوید وقرأت	پر	۲ کتابیں
علم نحو منطق واقلیدس	پر	۳ کتابیں
علم سلوک واحسان	پر	۳ کتابیں
دفاع اسلام	پر	۴ کتابیں
متفرق مضامین	پر	۳ کتابیں

کل میزان ۱۰۳ کتابیں

اس مجموعۂ تالیفات میں اب تک تقریباً (۴۰) کتابیں شائع ہو پائی ہیں۔

ان مطبوعات کے آج دنیا کی اکتیس (۳۱) زبانوں میں ترجمے منتقل ہوکر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں، اسی طرح دنیا بھر کے انیس (۱۹) ممالک کے دوسو پندرہ (۲۱۵) ادارے اور پریس آپ کی عربی واردو تصنیفات وتالیفات کی طباعت واشاعت میں مصروف ہیں۔

ان انیس (۱۹) ممالک کے نام اوران میں قائم یہ دوسوچھتیس (۲۳۶) ادارے اس طرح ہیں:

انڈیا	میں	۹۱۔ادارے
انڈونیشیا	میں	۲۔ادارے
امارات عربیہ	میں	۲۔ادارے
ایران	میں	۴۔ادارے
امریکہ	میں	۲۔ادارے
انگلینڈ	میں	۵۔ادارے
بنگلہ دیش	میں	۱۳۔ادارے
برما	میں	۴۔ادارے
پاکستان	میں	۷۹۔ادارے
پرتگال	میں	۱۔ادارہ
تھائی لینڈ	میں	۱۔ادارہ
جنوبی افریقہ	میں	۷۔ادارے
سعودی عرب	میں	۳۔ادارے
شام	میں	۲۔ادارے
فرانس	میں	۳۔ادارے
کینیا	میں	۱۔ادارہ
لبنان	میں	۵۔ادارے
ملیشیا	میں	۵۔ادارے
مصر	میں	۶۔ادارے

اسی طرح آج ہندوستان ، پاکستان، بنگلہ دیش ، افغانستان، ایران، تاجکستان، برما، ازبکستان، انڈونیشیا، انگلینڈ، افریقہ ، امریکہ، کناڈا، ترکی، جاپان، زمبیا، فرانس ،سری لنکا، فیلپائن، کمبوڈیا، کینیا، ملیشیا، پرتگال، سعودی عرب، مصر، شام جیسے چھبیس (۲۶) ممالک کے ایک سو پینتالیس (۱۴۵) علماء اور دانشوران آپ کی تصنیفات وتالیفات کی علمی خدمت وتحقیق اوران کو دیگر زبانوں میں تراجم کے ذریعہ منتقل کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

آپ کے دائرۂ قلم کی وسعت وآفاقیت پر بطور شاہد عدل آپ کی خالص دعوتی واصلاحی کتاب ''فضائل اعمال'' ہے اور جو نو کتابوں فضائل قرآن ، فضائل رمضان ،فضائل تبلیغ

،حکایات صحابہ، فضائل نماز ،فضائل ذکر ، فضائل حج، فضائل صدقات اور فضائل درود شریف کا مجموعہ ہے۔

اس کتاب کی گہرائی اور گیرائی کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے اسّی (۸۰) سے زائد ادارے اور کتب خانے اس کے اردو ایڈیشن سالہا سال سے طبع کررہے ہیں، اور اب اہل دانش وبینش کا تأثر یہ ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی یہ کتاب قرآن شریف کے بعد دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جانے والی کتاب ہے، اور یقیناً دن ورات کے چوبیس گھنٹوں میں مشکل سے کوئی وقت ایسا گذرتا ہوگا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں اس کتاب کا مطالعہ، مذاکرہ یا قرأت وسماعت نہ ہورہی ہو۔

یہ کتاب اپنی تاثیر وافادیت ،حلاوت وجاذبیت ،نورانیت وروحانیت ، زبان وبیان کی لطافت وسلاست دلنشیں تعبیر وتفہیم اور سب سے بڑھ کر اپنی خداداد قبولیت ومقبولیت کی بناء پر آج اس سطح پر پہنچ گئی ہے کہ مشرق ومغرب شمال وجنوب میں یہ دینی محاذ کی ایک شناخت اور پہچان بن گئی ہے، اور لاکھوں لاکھ بندگانِ خدا کی زندگیوں کو مادیت سے روحانیت اور بے دینی سے دین کی طرف لانے میں اس کتاب نے بڑا مضبوط اور گہرا کردار ادا کرکے دین ومذہب کی محبت وعقیدت دلوں میں اتار کر خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے درمیان رشتوں کو مضبوط ومستحکم کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے علمی وتحقیقی میدان کی طرح روحانی میدان میں بھی بڑے گہرے اور مضبوط نقوش قائم کئے ہیں، اس میدان میں آج بھی آپ کے ذریعہ اصلاح وتربیت پائے ہوئے سو سے زائد خلفاء پوری دنیا میں زبردست انسانی وتہذیبی خدمات انجام دے رہے ہیں اور بھولی بھٹکی انسانیت کو خدائے پاک کا نام بتلا کر ان کو معاشرہ کا ایک بہترین انسان بنانے کی فکر ومحنت میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے لیل ونہار اگر جلوت میں گذرتے تو درس وتدریس اور اصلاحِ نفوس میں صرف ہوتے اور اگر خلوت میں گذرتے تو اپنے مالک وخالق سے راز ونیاز اور امتِ محمدیہ مرحومہ کے لئے دعا اور آہ وزاری میں نکل جاتے تھے، گویا اس معاملہ میں آپ کی پوری زندگی اس شعر کی عملی تفسیر وتشریح بن کر رہ گئی تھی۔

کیا دل ہے کہ اک سانس بھی آرام نہ لے ہے
محفل سے جو نکلے ہے تو خلوت میں چلے ہے

اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں آپ ہندوستان سے ہجرت کرکے سعودی عرب کے مقدس شہر مدینہ منورہ چلے گئے تھے وہاں پہنچنے پر شاہ فیصل شہید (مرحوم) نے آپ کے عالمانہ ومحدثانہ مقام کے پیش نظر سعودی عرب کی نیشنلٹی اس تصریح کے ساتھ آپ کو دی کہ یہ علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لئے ہے، اس طرح آپ باقاعدہ مہاجر مدنی بن کر تقریباً دس سال وہاں ٹھہرے رہے اور مسلمانوں کی رہنمائی اور ان کی مشکلات وپریشانیوں میں ان کی مدد اور ان کے لئے دعائیں فرماتے رہے، پورے سال عموماً اور موسم حج میں خصوصاً پوری دنیا کے ممالک سے آپ کے معتقدین وابستگان اور تلامذہ آتے اور اپنے مسائل ومشاکل یا اپنے دل کے دکھڑے آپ کو سنا کر آپ سے دعا اور توجہات کے طالب ہوتے ، ایسے مواقع پر آپ کی ذات مبارکہ اس شعر کی مصداق اور صحیح تصویر بن جاتی۔

ہردم دعائیں کرنا ،ہرلحظہ آہیں بھرنا
اُن کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا

یہاں تک کہ ۲ رشعبان ۱۴۰۲ھ/ ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء میں آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وہاں کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں آپ کی تدفین عمل میں آئی رحمه الله تعالیٰ۔

مخلوق خدا کو آپ سے کس قدر سچی محبت وعقیدت ہے اور آپ کی علمی وروحانی خدمات اور دنیا بھر میں اس کے ذریعہ پھیلنے والے اثرات وثمرات کا انہیں کس قدر کھلے دل سے اعتراف ہے اس کا اندازہ اس حقیقت اور سچائی سے ہوسکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد سے آج تک راقم سطور کی تحقیق ومعلومات کے مطابق آپ کی زندگی اور آپ کے دینی علمی کارناموں اور مذہبی واصلاحی خدمات پر بطور تجزیہ وجائزہ ایک سو دو (۱۰۲) کتابیں (بشمول مقالات) ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، امریکہ، انگلینڈ، ملیشیا، افریقہ، مصر، شام، سعودی عرب سے شائع ہوچکی ہیں۔

ان تمام کتابوں میں آپ کی عبقری شخصیت کی شناخت اور دینی حیثیت ومقام کی تہ در تہ پرت کو نہ صرف حسن وخوبصورتی کے ساتھ کھولا گیا ہے بلکہ آپ کی زندگی کے لیل ونہار اور آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بڑی جامعیت وسلیقہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اسی طرح متعدد اہل قلم واصحاب فضل کی جانب سے نیز متعدد کالجوں، یونیورسٹیوں اور ملک وبیرون ملک کے علمی جامعات سے آپ پر پی، ایچ، ڈی اور دیگر سرکاری سندات کے لئے اب تک چودہ (۱۴) مقالے لکھے جاچکے ہیں جن کی قدرے وضاحت اور مختصر تاریخ یہ ہے۔

(۱) مقالہ: جناب محمد ابراہیم صاحب بودلہ ایم اے پاکستان جو امتحان ایم ،اے سالانہ ۱۹۸۷ء کے لئے ترتیب دیا گیا

(۲) مقالہ: جناب محمد فاروق صاحب پاکستان جو سندھ یونیورسٹی پاکستان سے پی، ایچ، ڈی کے لئے مرتب کیا گیا

(۳) مقالہ: شیخ نوشاد عبد العزیز مانچسٹر انگلینڈ .....جو جامعہ ازہر قاہرہ سے پی، ایچ، ڈی کے لئے لکھا گیا

(۴) مقالہ: مولانا محمود حسن حسنی ندوی لکھنؤ.....جو ندوۃ العلماء لکھنؤ سے سند فضیلت کے لئے ترتیب دیا گیا

(۵) مقالہ: مولانا رشید احمد اعظمی..... جو لکھنؤ یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کے لئے ترتیب دیا گیا

(۶) مقالہ: پروفیسر محمد نواز چودھری پاکستان .....جو پنجاب یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کے لئے تیار کیا گیا

(۷) مقالہ: ڈاکٹر عبد المالک ایم، اے، ایم، فل۔ جو یونیورسٹی آف مدراس سے پی، ایچ، ڈی کے لئے تیار کیا گیا

(۸) مقالہ: مولانا عابد مظاہری اعظمی .....جو لکھنؤ یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کے لئے لکھا گیا

(۹) مقالہ: **المحدث الكبير العلامه محمد زكريا الكاندهلوى الهندى وجهودهٗ فى السنة النبويه ومنهجه فى التاليف** جو مولانا محمد اشرف علی ندوی دربھنگہ بہار نے جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے پی، ایچ، ڈی کے لئے تیار کیا۔

(۱۰) مقالہ: بندہ محمد شاہد سہارنپوری جو سیمینار اعظم گڈھ منعقدہ صفر ۱۴۲۵ھ/ مارچ ۲۰۰۴ء میں بعنوان حضرت شیخ کے بعض غیر مطبوعہ تالیفی نوادر ومخطوطات پڑھا گیا۔

(۱۱) مقالہ: بندہ محمد شاہد سہارنپوری جو ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں حضرت شیخ پر ہونے والے سیمینار منعقدہ مرکز الفکر الاسلامی ڈھاکہ بنگلہ دیش میں زیر عنوان ''بنگلہ دیش میں شیخ

الحدیث کے تلامذۂ حدیث اور آپ کی تصانیف کے تراجم کا ایک جائزہ پڑھا گیا۔

(۱۲) مقالہ: بندہ محمد شاہد سہارنپوری جو فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ میں اتحاد ملت کنونیشن غالب اکیڈمی حضرت نظام الدین دہلی میں بعنوان حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی، سرزمین ہند میں پیدا ہونے والی ایک علمی وروحانی شخصیت پڑھا گیا۔

(۱۳) مقالہ: بندہ محمد شاہد سہارنپوری جو جمادی الاول ۱۴۳۳ھ/ اپریل ۲۰۱۲ء میں مدرسہ احسان القرآن لاہور میں بعنوان حضرت شیخ کی فقہی خدمات اور فقیہانہ مزاج پڑھا گیا

(۱۴) مقالہ: بندہ محمد شاہد سہارنپوری جو آج ۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/ ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء میں بعنوان پاکستان میں حضرت شیخ کے تلامذۂ حدیث پڑھا جارہا ہے۔

ان اعداد وشمار کی روشنی میں یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی حیات وخدمات کے مبارک موضوع پر آج تک اتنا کام ہو چکا کہ بلا مبالغہ ایک وقیع اور عمدہ لائبریری اس عنوان پر وجود میں آچکی ہے۔

اعداد وشمار سے دلچسپی رکھنے والے ماہرین کے لئے یہاں یہ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ان شائع شدہ ایک سو دو(۱۰۲) کتب ومقالات کی اگر صرف پہلی مرتبہ کی اشاعت کو ایک ایک ہزار کی تعداد میں طبع ہونا تسلیم کرلیا جائے تو حسابی رو سے آپ کی ذات اور شخصیت پر آج تک شائع ہونے والی مجلدات کی کل تعداد ایک لاکھ دو ہزار (۱۰۲۰۰۰) ہو جاتی ہے۔

طباعت واشاعت کی یہ اتنی بڑی تعداد یقیناً ایک ایسا زبردست ریکارڈ ہے جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔

راقم سطور کی محدود اور ناقص معلومات کے مطابق تادم تحریر ذیل میں درج کئے گئے بارہ (۱۲) مجلّات وماہنامے حضرت شیخ کی حیات کو عنوان وموضوع بنا کر اپنے اپنے خاص نمبرات شائع کر چکے ہیں۔

نمبر شمار	نام ماہنامہ	مرتب	شائع شدہ
۱	ماہنامہ رضوان لکھنؤ	مولانا محمد حمزہ حسنی لکھنؤ	۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء
۲	پندرہ روزہ پیام سنت کانپور	مولانا مفتی منظور احمد قاضی شہر کانپور	۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء
۳	ہفت روزہ خدام الدین لاہور پاکستان	مولانا عبیداللہ انور لاہور	۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء
۴	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء
۵	ماہنامہ البیان پشاور پاکستان	مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاور	۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء
۶	ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ کراچی پاکستان	مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی	۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء
۷	ماہنامہ سلوک واحسان کراچی	مولانا محمد یحییٰ مدنی کراچی	۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۸	ماہنامہ یادگار شیخ سہارنپور	سید محمد شاہد سہارنپوری	۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء
۹	ماہنامہ علمی صدا دہلی	جناب محمد عارف عثمانی سہارنپور	۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
۱۰	ماہنامہ زکریا اسلام آباد پاکستان	مولانا محمد عزیز الرحمٰن پاکستان	۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
۱۱	ماہنامہ فکرِ ایمان لاہور پاکستان	مولانا مفتی مختار الدین شاہ کربوغہ شریف (کوہاٹ) پاکستان	۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء
۱۲	سہ ماہی حسن تدبیر دہلی		مولانا اعجاز الرحمٰن عرفی دہلی

یہ تمام خصوصی نمبرات اپنے حسن ظاہری کے ساتھ ساتھ حسن باطنی ومعنوی سے بھی مزین ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان کے ذریعہ ایک مرد باصفا ایک شیخ وقت اور ایک مربی زمانہ کے علمی وروحانی فیوض سے مستفیض ہونے کی اہل توفیق کو توفیق عطا فرمائے، آمین۔ یارب العالمین۔

حضرت شیخ پر تین سیمنار

(۱) آپ کی شخصیت فاضلہ پر پہلا دوروزہ بین الاقوامی سیمینار جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ یوپی میں بتاریخ ۲/۳ر صفر ۱۴۲۵ھ/۲۴/ ۲۵ر مارچ ۲۰۰۴ء حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری تلمیذ خاص حضرت شیخ کی حسن سعی سے منعقد ہوا، ۱۹۸۹ء اس سیمینار میں کم وبیش پچاس علمی اور تحقیقی مقالے پڑھے گئے جو بعد میں مستقل مجموعے کی شکل میں ''ذکرِ زکریا'' کے نام سے ساڑھے پانچ سو صفحات پر شائع ہوئے، اس سیمینار میں راقم سطور کا مقالہ '' حضرت شیخ کے بعض غیر مطبوعہ تالیفی نوادر ومخطوطات'' کے نام سے پڑھا گیا تھا۔

(۲) دوسرا سیمینار مفتی اعظم بنگلہ دیش مولانا مفتی عبد الرحمٰن صاحب زید مجدہٗ رئیس ومؤسس مرکز الفکر الاسلامی بشوندھرا ڈھاکہ بنگلہ دیش کی زیر قیادت جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ/ مئی ۲۰۰۸ء میں منعقد ہو چکا، اس سیمینار میں پورے ملک بنگلہ دیش سے نہ صرف علماء اور مشائخ تشریف لائے بلکہ حضرت شیخ کے معمر تلامذہ نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

اسی موقع پر احقر نے اپنا مقالہ بعنوان بنگلہ دیش میں شیخ الحدیث کے تلامذۂ حدیث پڑھا تھا، یہ مقالہ نیز اس کا بنگلہ ایڈیشن فقیہ الملت فاؤنڈیشن ڈھاکہ بنگلہ دیش کی جانب سے بڑی تعداد میں شائع ہوکر شرکاء سیمینار کو تقسیم کیا گیا تھا۔

(۳) تیسرا سیمینار آج کی تاریخ میں اسلام آباد پاکستان میں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب خلیفہ ومجاز حضرت شیخ کی زیر قیادت منعقد ہو رہا ہے، جس میں راقم سطور کا یہ مقالہ زیر عنوان '' مملکت اسلامیہ پاکستان میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے تلامذۂ حدیث'' پڑھا جا رہا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اس کو مبارک فرمائے اور خیر وبرکت کا ذریعہ فرما کر حضرتؒ کے علوم ومعارف نیز عقائد صحیحہ وحقہ کے پھیلنے کا سبب بنائے۔

وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز

❁ ❁ ❁

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

حیات و خدمات

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

ہندوستان کے شمال میں اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کا علاقہ نہایت ہی مردم خیز واقع ہوا ہے، اسی ضلع کے ایک قصبہ تھانہ بھون سے بیسویں صدی کے مجدد، مصلح، مفکر ودانشور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا تعلق رہا ہے، آپ ایک مقتدر خاندان کے فرد تھے، آپ کے آباء واجداد صاحب علم ووجاہت واہل منصب تھے۔

آپ کے والد ماجد منشی عبد الحق بڑے صاحب وجاہت، صاحب منصب اور صاحب جائیداد رئیس تھے اور بڑے اہل دل بزرگ تھے۔

آپ نسبا فاروقی، مذہبا حنفی، اور مسلکا سلسلہ امدادیہ، صابریہ، چشتیہ سے وابستہ ہوکر منصب خلافت ورشد وہدایت پر فائز ہوئے، آپ یگانہ عصر شیخ المشائخ حضرت حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ، چہارشنبہ کی صبح صادق کے وقت بمقام تھانہ بھون ظہور میں آئی، آپ کا بچپن وطن میں ہی گذرا اور وہیں ناظرہ، حفظ قرآن، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی، اور اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے از ہر الہند دار العلوم دیوبند کی طرف رجوع ہوئے اور چھ سال ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۰۱ھ تک وہاں رہ کر علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۰ سال تھی۔ ادھر چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہو رہا تھا اور ادھر احیاء تجدید دین مبین کے لیے یہ مجدد عصر تیار ہو رہا تھا۔

اللہ کا یہ بھی فضل عظیم تھا کہ آپ کو دار العلوم دیوبند ایسی شہرۂ آفاق اور مستند درسگاہ میں تحصیل علوم اور تکمیل درسیات کا موقع نصیب ہوا، جہاں خوش قسمت سے اس وقت بڑے منتخب اور یگانہ عصر وجامع کمالات وصفات، اہل اللہ اور اساتذہ کا مجمع تھا جن کے فیوض وبرکات علمی وایمانی کا آج بھی عالم اسلام معترف ہے ان میں اکثر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے سلسلہ سے وابستہ تھے، جس سال آپ کی فراغت ہوئی دار العلوم میں ایک جلسہ کا انعقاد ہوا اور حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے آپ کو دستار فضیلت عطا ہوئی، آپ نے حضرت ملا محمود، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا)، حضرت مولانا سید احمد صاحب، مولانا عبد العلی صاحب حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہم اللہ سے اکتساب علوم عربیہ واسلامیہ کیا۔ ان اکابر کی خصوصی توجہات آپ کے ساتھ ہمیشہ رہی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو صفر المظفر ۱۳۰۱ھ میں شہر کانپور کے مدرسہ فیض عام میں تدریس کے لئے بلایا گیا، آپ نے کئی سال تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے کچھ

عرصہ کے بعد مدرسہ کے نظم ونسق سے غیر مطمئن ہوکر تعلق منقطع کرلیا، اس کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ کانپور کے ہی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور اس طرح وہاں ایک مدرسہ قائم ہوگیا اس مدرسہ کا نام آپ نے جامع مسجد کی مناسبت سے ''مدرسہ جامع العلوم'' موسوم فرمایا۔ روز بروز یہ مدرسہ ترقی کی طرف گامزن رہا اور بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت ایک عظیم مدرسہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہے۔

آپ کانپور میں تقریباً ۱۴ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے اس عرصہ میں آپ کے حکیمانہ اور عارفانہ مواعظ وملفوظات اور تربیت باطنی کا سلسلہ بھی جاری رہا اور ان تمام مواد کو اہل علم واہل بصیرت قلمبند کرتے رہے۔ کانپور کے زمانے ہی سے آپ کے علوم ظاہری وباطنی فیوض سے خواص وعامۃ الناس سرشار ہوتے رہے۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لیے بڑی شدومد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی اس موضوع پر سینکڑوں وعظ مختلف عنوان کے ساتھ بیان فرمائے اور تقریباً نوسو کتابیں ورسائل تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہوکر شائع ہوئیں۔ مثلاً بہشتی زیور، بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، آداب المعاشرت، انتباہات مفیدہ، فروع الایمان، اصلاح الخیال، جلوۃ المسلمین، اصلاح انقلاب امت، وعظ اسلام حقیقی، محاسن اسلام اور دعوۃ الحق وغیرہ بعونہ تعالیٰ ان تصانیف سے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو نفع عظیم حاصل ہوا۔

پھر اپنے مرشد وشیخ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کے ایما اور منشاء سے صفر المظفر ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے قطع تعلق کرکے اپنے وطن مالوف (تھانہ بھون) میں اپنے پیر ومرشد کے خانقاہ امدادیہ میں قیام پذیر ہوگئے جب کہ حضرت امداداللہ صاحب مکہ المکرّمہ کو ہجرت کرچکے تھے۔ اور تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضرت شیخ امداداللہ نے مکۃ المکرّمہ سے تحریر فرمایا۔

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا اور ہمارے مدرسہ اور مسجد کو از سرنو آباد کریں گے، میں ہر وقت آپ کے لیے دعا کرتا ہوں''۔

حضرت تھانویؒ نے پہلا حج بعمر بیس سال اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۳۰۱ھ میں ادا کیا پھر دس سال بعد ۱۳۱۱ھ میں جب دوبارہ حج کرنے تشریف لے گئے تو حسب خواہش پیر ومرشد حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں چھ ماہ تک مقیم رہے، حضرت شیخ سے دست بدست بیعت ہونے اور دولت باطنی سے فیضیاب اور بہرہ اندوز ہونے کے بعد حضرت شیخ کی ان دو وصیتوں کے ساتھ واپس آگئے۔ رخصت کرتے وقت حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے فرمایا تھا۔

''میاں اشرف علی دیکھو ہندوستان میں پہنچ کر تم کو ایک حالت (باطنی) پیش آئے گی عجلت نہ کرنا، کبھی کانپور کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا تھانہ بھون جاکر بیٹھ جانا، چنانچہ ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے مدرسہ کا تعلق ترک کرنے کے بعد حضرت تھانوی مستقلا تھانہ بھون میں مقیم ہوگئے۔

خانقاہ امدادیہ میں تو کلاعلی اللہ قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت کی ساری زندگی تقریباً نصف صدی تک تصنیف وتالیف اور مواعظ وملفوظات ہی میں بسر ہوئے، ملک وبیرون ملک ہزاروں طالب حق وسالکین طریق تعلیم، تربیت باطن وتزکیہ

نفس سے فیض یاب اور بہرہ اندوز ہوکر بحمداللہ امت مسلمہ کے رہبر اور مرشد بن گئے، جن کا فیضان روحانی اب تک جاری وساری ہے۔

حضرت تھانویؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، غیر منقسم ہندوستان کے وہ ایک ممتاز اور مشہور عالم دین تھے، انہوں نے کئی سو رسائل وکتابیں تصنیف کی ہیں۔اور اپنی تصانیف کے ذریعے مسلم معاشرے سے بدعات اور غیر شرعی رسومات ختم کرنے اور ان میں صحیح عقائد کی ترویج واشاعت کی کامیاب کوشش کی ہے، بعض اوقات آپ کی یہ کوشش سختی کی وجہ سے اختلاف کا موضوع بھی بنی۔آپ اپنے زمانے کے مصلح تھے، اکابر علماء ہند نے آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، جن میں مشہور وممتاز عالم دین ومؤرخ وسیرت نگار نبوی علامہ سید سلیمان ندوی، ممتاز عالم دین قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ، اور ان کے علاوہ بہت سے علماء نے آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔مشہور عالم وصحافی مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تربیت روحانی آپ ہی نے کی تھی۔

حضرت تھانویؒ کی تصانیف علوم دینیہ کے تقریباہر فن مثلا علم تفسیر، علم حدیث، فقہ وفتاویٰ، تصوف وسلوک، حکمت وطب، علم کلام، تجوید وغیرہ پر موجود ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے کیا ہے اس کے خطبے میں آپ نے تفسیر لکھنے کی غرض وغایت بھی تحریر کی ہے۔تفسیر ''بیان القرآن'' حضرت تھانوی نے ۱۳۲۰ھ میں لکھنا شروع کی اور ۱۳۲۵ھ میں تکمیل کی ۱۳۲۶ھ میں پوری تفسیر بارہ جلدوں میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی تھی، اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن بہت سے لوگوں نے چھاپے، صرف ترجمہ اور اختصار کے ساتھ تفسیر کو ہندو پاک کے بہت سے ناشرین نے چھاپا ہے۔

بیان القرآن تمام علوم متعلقہ قرآن کی جامع اور تفسیری علوم کی حاوی نادرۂ روزگار تفسیر ہے اور اس کی افادیت ونافعیت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور عوام سے لے کر اہل علم وکمال تک کے لیے کارآمد ومفید ہے، یہ تفسیر قرآنی مشکلات کے حل کرنے میں خاص طور پر اپنی نظیر آپ ہے۔

حضرت مفسرؒ نے تفسیر لکھنے میں بڑی محنت ومشقت برداشت فرمائی ہے بعض بعض مقامات کی تفسیر لکھنے میں آپ کو آدھ آدھ گھنٹہ تک غور وفکر اور دعا کے بعد شرح صدر ہوا اور تفسیر سمجھ میں آئی اس کے باوجود بھی جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفسیر میں نہیں ملی اس پر اطمینان نہیں کیا (اشرف السوانح)

حضرت تھانوی کا طرز نگارش

حضرت حکیم الامت اگرچہ آج کل کی اصطلاح میں اردو ادب کے صاحب طرز ادیبوں میں شمار نہیں کئے جاتے تھے مگر پھر بھی حضرت حکیم الامتؒ یہ ترجمہ مستند ترجمے کی حیثیت رکھتا ہے اور بڑے بڑے صاحب طرز ادیب اس کی ادبیت کے معترف ہیں۔

حضرت مفسرؒ نے سورتوں اور آیات کے درمیان ربط بڑے سہل انداز میں پیش کیا ہے اور حضرت کا یہ کہنا ہے کہ اگر آیات کے درمیان مناسبت اور ربط کا اعتبار نہ کیا گیا ہوتا تو ترتیب تلاوت نزول سے مختلف نہ ہوتی، حالانکہ ترتیب تلاوت کا

ترتیب نزول سے مختلف ہونا محقق اور ثابت ہے اگر آیات میں کسی ربط اور مناسبت کا لحاظ نہ ہوتا تو ترتیب نزول کو کیوں بدلا جاتا (حاشیہ القرآن)

اسی طرح احادیث سے استنباط میں، فقہ کی توجیہات میں، تصوف وسلوک کی غایات میں، جہاں جہاں خواص وعوام غلط فہمیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوگئے تھے وہاں اس مجدد عصر کی نظر اصلاح کارفرما نظر آتی ہے اور ان علوم کے ہر باب میں مفصل تصانیف موجود ہیں۔اس طرح حضرت کی مطبوعہ مواعظ وملفوظات اور ترتیب السالک علوم ظاہری وباطنی کے ایک بحر بیکراں ہیں۔ ان مواعظ وملفوظات میں اکثر وبیشتر آیات قرآنی، احادیث نبویہ، فقہ اور طریقت کے متعلق بہت نادر اور نازک ولطیف تفاسیر، تشریحات، تنقید وتدقیق بیان کی گئی ہیں۔

بے دینی کا انسداد

اس زمانے میں مسلمانوں میں دو بڑے خطرناک رجحانات شدت پکڑ رہے تھے ایک طرف تو انگریز کے برسر اقتدار ہونے کی وجہ سے مغربی فلسفہ اور تہذیب ومعاشرت کا اثر پھیل رہا تھا جس سے عام طور پر تعلیم گاہیں، تجارتی ادارے اور سرکاری محکمے اور عوام متاثر ہو رہے تھے۔

حضرتؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لیے بڑی شدومد کے ساتھ تبلیغ شروع فرمائی اس موضوع پر سینکڑوں وعظ مختلف عنوان کے ساتھ بیان فرمائے اور تقریبا نو سو کتابیں ورسائل تصنیف فرمائیں جو کثرت سے طبع ہوکر شائع ہوئیں۔مثلا بہشتی زیور، بہشتی ثمر، اصلاح الرسوم، آداب المعاشرت، انتباہات مفیدہ، فروع الایمان، اصلاح الخیال، حیوٰۃ المسلمین، اصلاح انقلاب امت، وعظ اسلام حقیقی، محاسن اسلام اور دعوۃ الحق وغیرہ بعونہ تعالیٰ ان تصانیف سے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو نفع عظیم حاصل ہوا۔

تو میدان صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب پر
کہ نو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
مرقع ہے حدیثوں کا الٰہیات کا دفتر
ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر

ہمہ گیر مصلحانہ تبلیغ کے اثرات

اس ہمہ گیر مصلحانہ تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دینی واسلامی شعار کی طرف رجحان پیدا ہونے لگا، ہر طبقہ کے اکثر وبیشتر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ، اور خصوصا سرکاری محکموں کے بڑے بڑے عہدے دار، وکیل، بیرسٹر، جج، منصف، مجسٹریٹ وغیرہ کثرت سے حضرت تھانویؒ کی تعلیم سے متاثر ہوئے۔اور بعض تو حلقہ بگوش عقیدت ہوگئے اور بعض کی باطنی تعلیم وتربیت سے دینی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی تھی کہ حضرت نے ان کو اپنے خلفاء مجازین صحبت میں شامل فرمالیا تھا اس طرح حضرت نے اس دور میں ایک ایسی زندہ مثال قائم فرمادی کہ مسلمان خواہ کسی مسئلہ زندگی میں ہو اگر وہ چاہے تو پکا دین دار بھی بن سکتا ہے یہ حضرت کی ایسی کرامت اور کارنامہ تبلیغ دین ہے جو ہر اعتبار سے انفرادیت کا درجہ رکھتا ہے، آپ نے تصوف میں در آنے والی قلع قمع کیا۔قرآن وحدیث کی غیر متزلزل سند کے ساتھ تمام باطل عقائد کار اور تمام غیر اسلامی رسم وروایات اور غیر معقول اور ملحدانہ رموز واسرار باطنی اور گمراہ کن اصلاحات کی تردید فرمائی اور نہایت نمایاں طور پر واضح فرمایا کہ طریقت یعنی تصوف وسلوک یا دوسرے الفاظ میں تہذیب، اخلاق وتزکیہ نفس دین مبین ہی کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے اور اس پر شریعت وسنت کے مطابق عمل کرنا ایک درجہ میں ہر

مسلمان پر فرض وواجب ہے۔(مآثر حکیم الامت از ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی)

خلاصہ یہ کہ حضرت تھانویؒ کی مصلحانہ ومجددانہ انفرادیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت کی تمام تصانیف وتالیفات تمام مواعظ وملفوظات یعنی تمام تحریری وتقریری کارنامہ ملاحظہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں اور آشکارا نظر آئے گی کہ دین مبین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس حکیم الامت مصلح شریعت وطریقت کے اصلاحی وتجدیدی جدوجہد کے احاطہ کے اندر نہ آ گیا ہو۔

حضرت تھانوی کا سفر آخرت

جانا تو سبھی کو ہے وہاں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا، لیکن بعض شخصیات ایسے ہوتے ہیں جن کے سانحہء ارتحال کے بعد دنیا میں برسوں تک غم کے بادل چھا جاتے ہیں، حضرت تھانویؒ انہیں نیک نفس میں سے ایک تھے، ۷/جولائی ۱۹۴۳ء سے حضرت پر غنودگی طاری رہنے لگی اور استماع ملفوظات سے حاضرین محروم رہنے لگے، وفات سے دو چار روز قبل خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحبؒ سے مصروف قیل وقال رہے، نہایت ہی دقیق مضامین پر روشنی ڈالتے رہے اور فرمایا کہ خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی۔خواجہ صاحب پھر یہ باتیں سننے میں نہ آئیں گی کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں اس کا اہتمام نہیں، پھر مولانا فضل حق خیرآبادی کا یہ مصرعہ پڑھا.....

؎ رانڈ ہو جائیں گے قانون وشفا میرے بعد

وفات سے صرف ایک روز قبل عصر کے قریب انتہائی نقاہت کے باوجود ملفوظات کا سلسلہ یکا یک شروع فرمایا گو آواز بمشکل نکلتی تھی اور تقریر نہایت آہستہ آہستہ ٹکرے ٹکرے ہو کر زبان فیض سے صادر ہوتی تھی اسی حالت میں آپ نے فرمایا کہ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے اعزہ مجھ سے لاکھ درجے بڑھ جائیں مگر افسوس ہے کہ اب تک کوئی بڑھا نہیں میں نے تو ہمیشہ اپنے کو مویشیوں سے بھی بدتر اور کمتر سمجھا لیکن حاجی صاحبؒ کی جوتیوں کی برکت سے مجھے اول یوم ہی وہ بات نصیب ہوگئی حضرت حاجی صاحب نے ایک ایسی بشارت دی جس کو میں نے اس لیے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ گالیاں پڑیں گی بڑے بڑے اکابر کا نام لے کر فرمایا جن کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا کہ یہ اب ان سے بڑھ چلے ہیں میں ہمیشہ اس کو آئندہ کے لیے بشارت سمجھا کیونکہ اب تک تو میری حالت اس قابل کبھی نہیں ہوئی۔(حضرت تھانوی کے حیرت انگیز واقعات)

شرف تجھ کو ملا بزم دلا کی باریابی کا
صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

وفات سے چند سال قبل ہی سے حضرت مرض اسہال میں مبتلا رہے اور کسی حکمت وعلاج سے صحت نہ ہوئی۔بالآخر ۱۶۔۱۷ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۔۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء سہ شنبہ کی شب نماز عشاء کے وقت ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۱ دن کی عمر میں یہ علم وارشاد کا شہنشاہ، سواد برصغیر کا نیر اعظم تقریبا نصف صدی تک دین مبین کی ضوفشانی کے بعد غروب ہوگیا۔قصبہ تھانہ بھون مین خانقاہ امدادیہ کے شمال جانب قبرستان تکیہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی آخری آرامگاہ ہے۔

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو
اٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریل طلعت کر

(9891755509)

❁ ❁ ❁

دین میں اضافہ اور جدید ایجادات و وسائل

..... ● محمد انعام الحق قاسمی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر جو دین نازل کیا وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے جس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین میں اضافہ کرنا سختی سے ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دین کی تکمیل ہوگئی تھی اس لیے ایمان والوں کو دنیا اور آخرت کی فلاح وسعادت کے لیے نئے نئے اضافوں کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

"الیوم اکملت لکم دینکم" (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے)

عام طور پر سوال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے زمانے میں انٹرنیٹ نہیں تھا، ٹیلی فون نہیں تھا، ہوائی جہاز نہ تھے، لوگ اونٹوں پر سفر کرتے تھے، کنوؤں سے پانی پیتے تھے، تلوار سے جہاد کرتے تھے وغیرہ۔ اب ان وسائل کا استعمال متروک ہو چکا ہے تو ثابت ہوا کہ دین میں اپنی مرضی کی چیزیں داخل کی جا سکتی ہیں کیونکہ اسلام قیامت تک کے لیے ہے اور زمانے کے ساتھ بدلتے وسائل اور جدید ٹیکنالوجی کو اسی وقت اپنایا جا سکتا ہے جب اضافے کو جائز سمجھا جائے۔ کار میں سفر کرنا اور گھروں میں بجلی کا استعمال کرنا کیا نئی چیز نہیں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو انہیں استعمال نہیں کیا تھا۔ اس عقلی دلیل کو بنیاد بناتے ہوئے ان سارے فرامین کی تاویل کی جاتی ہے جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے دین میں نئی نئی چیزیں نکالنے سے منع کیا ہے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ زندگی میں دو قسم کے امور ہوتے ہیں۔

1۔ عقائد اور عبادات 2۔ عادات (معروف معنوں کے مطابق دنیاوی معاملات)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے سوا کسی کو اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے حلال وحرام کا حکم جاری کرے، یا کسی عبادت کو مشروع کرے یا عبادت کی مقدار، کیفیت اور اوقات میں کوئی تبدیلی کرے، یا معاملات کے عمومی قواعد کو بدلے، یا اپنے عقل وفہم سے کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے اسے عبادت، برکت یا تقرب الی اللہ کے ذریعے کے طور پر اپنائے اور اس کی ترویج کرے۔ اللہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے ایک ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں برت کر دکھا دیا ہے اور اس کی تعلیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دے دی تھی۔ اب جو بھی نیا کام عقیدہ وعبادت میں نکالا جائے گا یا اسے اللہ کی خوشنودی کے ذریعے کے طور پر اپنایا جائے گا یا اسے برکت کے حصول کا ذریعہ مانا جائے گا وہ مردود ہے، ناقابل قبول ہے، اللہ کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے کہ:

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد"

(جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نیا کام نکالا جو اس میں نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے)

اور اسی سے ملتا جلتا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یہ بھی ہے:

"من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد"

(جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ رد ہے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام امت سے افضل ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے انہیں بھی اجازت نہیں دی کہ اپنے طور پر کسی عمل کو اچھا سمجھتے ہوئے اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ لیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ صحیح احادیث میں مذکور ہے جس میں سوچنے سمجھنے والوں کے لیے بہت سامان ہے:

''تین آدمی (صحابی) نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے اور (ازواج مطہرات سے) نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی عبادت کے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب انہیں اس کی خبر دی گئی تو گویا انہوں نے اسے تھوڑا جانا۔ پھر کہنے لگے'' کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم، اللہ نے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے ہیں''۔ ایک نے کہا'' جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں رات کو ہمیشہ قیام کروں گا، دوسرے صحابی نے کہا'' میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے صحابی نے کہا'' میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا''۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تشریف لائے تو (معاملے کی اطلاع ملنے پر) فرمایا'' تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم، میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں لیکن میں (نفلی) روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

اس قصے سے بڑا اہم سبق ملتا ہے کہ تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اچھے کام کا ارادہ کیا اور اچھی نیت سے کیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا بری بات ہے، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے انہیں اپنے طریقے سے ہٹ کر نفلی روزہ اور نفلی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جس سے معلوم ہو گیا کہ نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا بظاہر نیک عمل بھی اس وقت تک کوئی وزن نہیں رکھتا جب تک اس پر محمدی مہر تصدیق نہ ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ حلقے بنا کر بیٹھے ہیں اور (سب مل کر) تکبیر کہتے ہیں، اللہ کی تسبیح اور تہلیل بیان کرتے ہیں۔ تو ان سے فرمایا:

''اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) تمہاری ہلاکت کس قدر قریب آ گئی ہے'' اور فرمایا'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ (ذکر کا یہ نیا انداز نکال کر) محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے طریقے سے بہتر طریقے کے مدعی ہو یا پھر گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو''

وہاں بیٹھے لوگوں نے کہا:

''اے ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت)! ہمارا ارادہ خیر کے سوا کچھ نہ تھا''

اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

''کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جو اسے

پاتے نہیں ہیں''

(اسے امام الدارمی نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

ایک دوسرا واقعہ نئے امور کے بارے میں صحابہ کرام کی احتیاط کو بہت اچھی طرح بیان کرتا ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے) کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا۔اسے چھینک آئی تو اس نے کہا "**الحمدلله والسلام علی رسول الله**"۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ٹوکتے ہوئے فرمایا''میں بھی کہتا ہوں "**الحمدلله و السلام علی رسول الله**" لیکن اس موقع پر (یعنی چھینک کے بعد) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں دی تھی، بلکہ یہ تعلیم دی تھی کہ ہم کہیں "**الحمدلله علی کل حال**"(الترمذی بسند صحیح)

صحابہ کرام کے شاگرد یعنی تابعین بھی نئے امور سے سختی سے پرہیز کرتے تھے۔مشہور تابعی سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ طلوع فجر کے بعد دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھتا ہے اور اس میں کثرت سے رکوع وسجود کرتا ہے۔انہوں نے اسے منع کیا تو اس نے کہا''اے ابومحمد! کیا اللہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا''؟ تو سعید رحمہ اللہ نے فرمایا''نہیں، بلکہ تجھے خلاف سنت کام کرنے پر عذاب دے گا''(رواہ البیہقی فی''السنن الکبریٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے فرامین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور تابعین کے طرز عمل سے اب وہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی جسے میں نے اوپر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے سوا کسی کو اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے حلال وحرام کا حکم جاری کرے، یا کسی عبادت کو مشروع کرے یا عبادت کی مقدار، کیفیت اور اوقات میں کوئی تبدیلی کرے، یا معاملات کے عمومی قواعد کو بدلے، یا اپنے عقل وفہم سے کسی چیز کو اچھا سمجھتے ہوئے اسے عبادت، برکت یا تقرب الی اللہ کے ذریعے کے طور پر اپنائے یا اس کی ترویج کرے۔

واپس اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ جب نئے کام نکالنے کی اتنی سخت ممانعت ہے تو پھر جدید ایجادات اور وسائل کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ عادات ومعاملات اور دنیاوی کاموں میں نئی چیزوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے جب تک انہیں اختیار کرنے سے دین کے کسی دوسرے اصول کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔آپ کو اجازت ہے کہ شریعت کے عمومی قواعد مثلاً عدل وانصاف، دیانت وامانت وغیرہ کا خیال رکھتے ہوئے صنعت وحرفت، ٹیکنالوجی، جدید ذرائع آمدورفت، جدید ذرائع مواصلات وغیرہ سے پورا فائدہ اٹھائیں۔یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ''تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں یوں بیان کیا ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو کھجوروں میں پیوند لگا رہے تھے۔آپ نے فرمایا''اگر تم یہ نہ کرو تو اچھا ہوگا''(انہوں نے ایسا ہی کیا تو) اس کے بعد ردی کھجوریں پیدا ہوئیں پھر (دوبارہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا گزر ان پر سے ہوا تو پوچھا''تمہاری کھجوروں کا کیا ہوا''؟(انہوں نے ساری بات بتائی اور کہا''آپ نے اس اس طرح فرمایا تھا'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ اچھی طرح جانتے ہو''

❁ ❁ ❁

خصوصی پیشکش

تھامس کارلائل Thomas Carlyle ایک برطانوی باشندہ تھا۔ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا اور ۸۶ برس کی عمر پا کر ۱۸۸۱ء میں وفات پا گیا۔ تھامس کارلائل نے ۸/مئی ۱۸۴۰ء کو ایڈنبرا کے وسیع شاہی ہال میں ایک طویل لیکچر دیا، جو صبح ۹/ سے رات ۹/ بجے تک جاری رہا (تقریباً 12 گھنٹے)۔ اس لیکچر کو سننے کے لئے ۵۰۰ سو کے قریب سامعین موجود تھے اور وہ پورے بارہ گھنٹے اس کی سحر انگیز خطابت کی وجہ سے مکمل دل جمعی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ یہ لیکچر اردو میں بھی شائع ہو چکا ہے مگر فاضل مترجم کے بہ قول وہ اس کا ایڈٹ شدہ متن تھا، اب پہلی مرتبہ اس کا مکمل متن اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ متن محترمہ نورا کارلائل کے توسط سے فاضل مترجم تک پہنچا ہے جو تھامس کارلائل کی پانچویں نسل سے تعلق رکھنے والی ایک برطانوی مسلم خاتون ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ محترمہ نورا کارلائل کے بہ قول تھامس کارلائل نے بہ وقت انتقال ۱۸۸۱ء میں اپنے تمام اہل خانہ کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

خراج عقیدت

بہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

● تھامس کارلائل .... ● (ترجمہ) ڈاکٹر شبیر احمد بن عبدالرشید

صاحبو! اللہ تعالیٰ تھامس کارلائل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ بے شک وہ ایک سچا عاشق رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اس پائے کا فلسفی، مصنف، ماہر سماجیات اور مؤرخ یورپ کی سرزمین نے کم ہی دیکھا ہے۔ اس کی چند ہی کتابیں ہیں لیکن لازوال ہیں۔ اس کی قابلیت کا عالم یہ تھا کہ اس کی شاہکار کتاب ''دی فرنچ ریوولیوشن'' The French Revolution کا مسودہ گھر کی خادمہ نے غلطی سے آتش دان میں پھینک دیا۔ کوئی اور ہوتا تو سر پیٹ کر رہ جاتا لیکن کارلائل نے تو یہ کہا ''کوئی بات نہیں غم نہ کرو''۔ ہم یہ کتاب دوبارہ لکھ لیں گے۔ اور صاحبو! کیا کتاب لکھی اس نے اس غضب کی کتاب جو انگریزی تاریخ و ادب کا کلاسک سمجھی جاتی ہے۔ جتنا بلند مفکر تھا اتنا ہی اعلیٰ پائے کا مقرر بھی تھا کارلائل۔ ایڈنبرا میں اس کے لیکچر اور تقریر سننے کیلئے بڑے بڑے ہال کھچا کھچ بھر جاتے تھے۔

۸ مئی ۱۸۴۰ء کی بات ہے تھامس کارلائل ایڈنبرا کے ایک وسیع ہال میں تقریر کیلئے کھڑا ہو۔ اس وقت وہاں ۵۰۰ سامعین موجود تھے۔ صبح ۹ بجے اس نے اپنا لیکچر شروع کیا اور رات ۹ بجے تک اسی جذبے، دل کی گہرائی اور عقیدت کے ساتھ بولتا رہا کہ مسلسل بارہ گھنٹے تک سامعین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہ لیکچر تھوڑے ہی عرصے میں اس کی مشہور زمانہ کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' کا ایک درخشاں باب بن کر شائع ہوا۔ کتاب کا پورا نام ہے ''اون ہیروز، ہیرو ورشپ، اینڈ دی ہیرو ونک ان ہسٹری'' "On Heroes, Hero worship and the Heroic in history"

آج کے لیکچر کا موضوع ہے۔ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر اور ایک عظیم ہیرو'' تمام لیکچر میں تھامس کارلائل یہ کہتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تونے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

کتاب میں لیکچر ادارت کے بعد شائع ہوا ہے۔ اصل لیکچر ہمیں برمنگھم سے محترمہ نورا کارلائل نے بھیجا ہے جو تھامس کارلائل کی پانچویں نسل میں ہیں۔ اس لیکچر کا ترجمہ اور تلخیص احترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

زبان و بیان و اظہار اور فکر و نظر کا گوہر آبدار ہے یہ خطاب! آج ہم نے اسے تیسری بار نہایت عقیدت سے پڑھا تو جی میں آیا کہ اسے آپ تک پہنچایا جائے۔ کارلائل جیسا عظیم دماغ ہو اور موضوع سخن ہو وہ ہستی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام میرے واسطے عنوان حیات! اب دیکھئے کیا کہہ گیا ہے تھامس کارلائل اپنے خطاب میں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار اس انگریز نے زمین سخن کو آسمان کر دیا ہے۔ صاحبو! ۸ مئی ۱۸۴۰ء بروز جمعہ تھامس کارلائل اینڈنبرا کے شاہی آڈیٹوریم میں ''دین و مذہب اپنی معراج پر ایک مقدس ہستی کے طفیل'' **(مترجم)**

انقلاب! ایک عظیم انقلاب! اتنی زبردست گہما گہمی انسانوں کے خیالات میں، افکار میں گویا ایک نئی کائنات ان کی عظمت ایسی عظمت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو دنیا انہیں خدا کی طرح پوجتی۔ ان کی بلندی وہ بلندی کہ محمد صلی اللہ کے بعد کوئی شخص خود کو ان کا ہمسر نہ سمجھ سکے۔ ایسا انقلاب کہ آپ کے بعد کوئی خدائی کا دعویٰ کرنے سے پہلے مرجائے اس لئے تاریخ عالم کا یہ عظیم ترین انسان خود کو محض ایک بشر کہتا رہا۔ انسان کی چھپی ہوئی آرزوؤں کی تکمیل وہ شخص جو خدا تو نہیں لیکن خدا سے جدا بھی

نہیں۔ایسا انسان جو خدا کی رضا چاہے اور خدا اس کی رضا چاہے ان معنوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے جدا نہیں تھے۔لوگ حیران و سرگردان ہیں کہ ان کے اعزاز و احترام کا حق کیسے ادا کریں۔کیا ہم انہیں کامل کہہ سکتے ہیں؟ جی ہاں! کہہ سکتے ہیں۔ ہر عمر میں ہر حال میں ہر محل و مقام میں وہ اپنے ساتھیوں کے ہیرو رہتے ہیں اور مخالفین کے بھی ہیرو! آپ چاہیں تو اسے ہیرو پرستی کہہ لیں، جی ہیرو پرستی کہہ لیں۔معزز سامعین میں آپ کو محمڈن بن جانے کی تبلیغ نہیں کر رہا۔میں اس عظیم ہستی کے بارے میں ہر ہر اچھی بات کہوں گا جو میں انصاف کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے موجودہ خیالات ۱۸۴۰ء کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک جعلی پیغمبر تھے اور ان کا پیش کردہ مذہب بے سروپا عقیدوں کا مجموعہ ہے غور و فکر کی روشنی میں یہ خیال صاف پگھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔جس دروغ گوئی کا انبار ہم نے اس مقدس ہستی کے گرد لگا دیا ہے وہ اس عظیم ہستی کیلئے نہیں ہم مسیحیوں کیلئے باعث شرم ہے۔گزشتہ بارہ صدیوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اس پیغمبر عالی مقام کا پیغام آج بھی ۱۸ کروڑ انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔کیا یہ ۱۸ کروڑوں انسان خدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؟ اگر ہم ان تمام کروڑ افراد کو بھٹکے ہوئے اور راہ گم کردہ سمجھیں تو سوچنے کا مقام ہے کیا جعلی پیغام بارہ صدیوں تک اس کامیابی سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ کیا میرے ہم مذہب بھائی بہن یہ بات نہیں جانتے کہ آج بھی کرہ ارض میں قرآن کریم کے اصول آگے بڑھ رہے ہیں۔بناوٹ، بناوٹ ہوتی ہے اور اسے ظاہر ہونے میں صدیاں نہیں لگتیں۔

ایک عظیم انسان اور پھر عظیم ترین انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف سچا ہو سکتا ہے۔سچ کے سوا کچھ نہیں۔مخلص، اخلاص کا مجسم پیکر! گہرا خلوص، عظیم خلوص، اصل خلوص! یہ ہے آپ کی عظمت کی پہلی شان۔ایک ایسی ہستی جو بنی نوع انسان کے ساتھ اور اپنے خدا کے ساتھ اتنا مخلص ہے کہ دوسرے تو دوسرے شاید اس نے خود بھی کبھی اپنے اخلاص پر شک نہ کیا ہو۔ہم اسے شاعر کہیں، پیغمبر کہیں، خدا کہیں، کیا کہیں! ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس کی کہی ہر بات حقیقت کی اتھاہ گہرائیوں سے ابھرتی ہے۔خدا نے پہلے بھی کئی بار وحی بھیجی ہے لیکن کیا خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں بنایا؟ ایک ایسی زندگی کا حامل فرد جو شعلۂ جوالہ ہو، ایسا شعلہ جو فطرت کے سینے سے نمودار ہوا ہو، تاکہ دنیا کو روشن کر دے۔خالق کائنات کے حکم سے ہی روشنی کا یہ شعلہ ابھر سکتا تھا۔جانتے ہیں کہ سب سے بڑی خامی انسان میں کیا ہو سکتی ہے؟ اپنی خامیوں سے ناآشنا رہنا۔ہم اس ہستی کا ذکر کر رہے ہیں جو انسان کامل ہونے کے باوجود روزانہ ستر بار اپنے رب کے حضور استغفار کرتا ہے۔

وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار پر انگشت نمائی کرتے ہیں آپ کو جاننا چاہئے کہ وہ اپنے جھوٹ کا جالا کہاں بنتے ہیں؟ ان لوگوں کے حسد پر جنہوں نے دو تین صدیوں بعد اس مقدس ہستی کے بارے میں کہانیاں گھڑیں۔خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنے عظیم انسان تھے کہ اگر انہوں نے کوئی غلطی بھی کی ہوتی تو زمانے بھر کے لئے بھلائی اور خوبی کا معیار بن جاتی۔میں آپ کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔نسل در نسل دنیا میں لوگ آتے رہیں گے، جاتے رہیں گے۔صحرا کے اس فرزند کی عظمت کو پوری طرح ایک شخص بھی سمجھ نہ سکے گا۔ریت کے سمندر میں پیدا ہونے والی ہستی دنیا بھر کو گلزار بنانے کا درس دے گئی۔

ایرانیوں کو مشرق کا فرانس کہتے ہیں۔عربوں کو مشرق کے اطالوی کہتے ہیں۔آپ صحرا میں کسی بدو، کسی مسلمان کے خیمے

میں پہنچ جائیں اگر آپ اس کے جانی دشمن بھی ہوں گے یا اس کیلئے دریاؤں کی طرح اجنبی، وہ آپ کی مہمان نوازی کیلئے اپنی آخری بھیڑ کو بھی قربان کردے گا۔ وہ آپ کی خاطر داری کو عبادت سمجھے گا۔صحرائی عرب کو آپ یہودی کی طرح باحواس دیکھیں گے لیکن اس سے بڑھ کر اس میں وہ متانت، سادگی اور وقار ملے گا جو آپ یہودی میں نہیں پائیں گے، یہ خوبیاں اسے کس نے سکھائیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے!

عکاظ کا جو میلہ لگا کرتا تھا۔ اس میں شاعری کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔کوئی ہے جو زبان کی گھن گرج میں ان شعرا کا ہی مقابلہ کرسکے اور میں ذاتی تحقیق کی بنا پر کہتا ہوں کہ عبرانی زبان میں جو صحیفہ ایوبی لکھا گیا تھا۔ زبان و بیان، عظمت کلام کے اعتبار سے قرآن کے سوا اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کوئی قلم صحیفہ ایوبی سے بہتر تحریر نہ کرسکا۔ ہاں! اس سے بہتر کچھ ہے تو وہ ہے قرآن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا۔

قرآن ایسی زندہ اور متحرک تحریر۔ایسا نغمہ جو انسانیت کے دلوں کو تسخیر کرلے۔ اتنا پر ہیبت، اس پر نرم رو، عظیم، پر اثر! ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے والا۔گرمیوں میں خنک چاندنی رات۔ سمندروں اور ستاروں کو محیط۔ میں سمجھتا ہوں اتنی بلند پایہ تحریر ابن آدم کی نگاہوں سے کبھی نہیں گزری۔

وہ سیاہ پتھر حجر اسود گویا بہشت سے گرتا ہوا۔ زم زم کے پر بہار چشمے کے نزدیک زم زم جیسے زمین سے حیات پھوٹتی ہوئی۔ بلبلے ابھرتے پھوٹتے ہوئے۔ زم زم کرتے ہوئے۔ وہ آب رواں جو ہاجرہ اور اس کے ننھے بچے اسماعیل نے خاص بارگاہ خداوندی سے پایا اور اسی مقام پر وہ انوکھی عمارت ہزاروں برس سے کھڑی ہوئی جسے ہم کعبہ کہتے ہیں۔ سلطان ترکی ہر سال اس کعبے کیلئے چمکیلا سیاہ غلاف بھیجتا ہے۔ ۲۷ کیوبٹ اونچا (CUBIT = کہنی سے درمیانی انگلی تک کا فاصلہ اندازاً ۲۰ انچ) ستونوں کے دو دائروں کے درمیان خوبصورت چراغوں کی قطاریں۔ نادر زیورات سے جھلملاتا ہوا۔ آج رات یہ چراغ پھر جگمگائیں گے۔ کھلے آسمان میں ستاروں کی طرح ۔ ماضی کا حسین لیکن مستند ٹکڑا۔ یہ ہے دہلی سے مراکش تک بسنے والے مسلمانوں کا قبلہ! ہمیشہ کی طرح آج بھی بے شمار آنکھیں اس قبلے کا رخ کریں گی۔ انسانیت تہذیب کی تاریخ میں کوئی ایسا مرکز آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ سنگ اسود، ہاجرہ کا چشمہ، عرب قبیلوں کے حاجی، ان سب نے مل کر مکہ کو مقدس ہی نہیں عظیم شہر بنادیا تھا۔ آج یہ کچھ بجھا بجھا سا دکھائی دیتا ہے۔ (یاد رہے تھامس کارلائل ۱۸۴۰ء کا ذکر کررہا ہے) جغرافیائی اعتبار سے قدرت نے اس مقدس شہر کو خصوصی طور سے نہیں نوازا۔ ریت کا لامتناہی سمندر۔ پھر خشک پہاڑیوں کے بیچ میں گھرا ہوا شہر سمندر سے دور۔ یہاں تک کہ روٹی بھی باہر سے منگانی پڑتی تھی۔ اسے فطرت کا مذاق کہئے کہ دنیا میں جہاں کہیں زائرین جمع ہوتے ہیں، تاجروں کی کاروباری نگاہ انہیں تاک لیتی ہے۔ روحانی کاروبار کے ساتھ ساتھ دنیاوی تجارت بھی اہل دل خوب کرلیتے ہیں۔ بہرکیف یہ بے آب وگیاہ مقام مکہ، عرب کی آنکھوں کا تارا بن کر رہا۔تاجر لوگ زیادہ تر انڈیا، شام، مصر اور اٹلی سے آتے تھے، جس میں مذہبی پیشوائیت کا خاصا حصہ تھا۔ ایک بڑے قبیلے کے دس سردار چنے جاتے تھے جو شہر کے امیر اور کعبے کے پاسبان ہوا کرتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ خاص قبیلہ قریش تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھرانے کا تعلق قریش ہی سے تھا۔ بقیہ عرب قوم چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹی ہوئی جزیرہ نما عرب کے چھوٹے چھوٹے نخلستانوں میں بکھری ہوئی تھی۔ چرواہے، ساربان، تاجر، کسان، چوراچکے۔ اکثر بلکہ ہمیشہ آپس میں برسرجنگ۔ اتنے وسیع عرب میں بکھرے ہوئے بدوؤں کے درمیان اگر کوئی رشتہ قائم تھا تو وہ تھا زبان کا رشتہ یا پھر اسی حسین کعبے کا۔ یوں لگتا تھا کہ ان قبیلوں کے بت بھی خانہ خدا میں آکر خوش ہوجاتے تھے۔ دیوتا سب کے الگ لیکن کعبہ سب کا ایک۔ صدیوں پر صدیاں گزر گئی تھیں۔ باہر کی دنیا صحرا کے ان خانہ بدوشوں سے ناآشنا رہی۔ قدرت کو یہ منظور تھا کہ ایک دن آئے جب یہ بے انتہا خوبیوں والی قوم خود ابھر کر دنیا پر چھا جائے۔ وہ عظیم ہستی جسے مسیحؑ ابن مریم کہتے ہیں اس کا پیغام عرب تک پہنچا تو ضرور تھا لیکن وہاں کی سخت اور خشک مٹی کو نرم نہ کرسکا تھا۔

یہ تھا عرب اور وہاں کے لوگ جہاں ۵۷۰ء میں اس روشن ہستی کو نمود ہوئی۔ اس کی ولادت باسعادت ہوئی جنہیں دنیا سلام کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ جنہیں آسمان آفریں کہتا ہے اور کہتا رہے گا۔ آپ کی پیدائش سے ذرا پہلے آپ کے والد جہاں فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ جو مکہ میں اپنے کردار، دانش، حسن سیرت اور حسن صورت کے باعث محترم سمجھی جاتی تھیں صرف ۲۶ سال کی عمر میں اپنے چھ سالہ جگر گوشے کو داغ مفارقت دے جاتی ہیں۔ اس خوش بخت بچے کے سر پر ہاتھ رکھنے کا شرف ایک ۱۰۰ سالہ بزرگ کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ بزرگ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب۔ عبداللہ ان بزرگ کا سب سے چھوٹا اور چہیتا بیٹا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس چہیتے بیٹے کی نشانی۔ عبدالمطلب کی ۱۰۰ سالہ ضعیف آنکھوں میں نہ جانے کس بلا کا کمال تھا! ان بوڑھی آنکھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف عبداللہ کو ہی نہیں پالیا آنے والے دنوں کی رحمت العالمین بھی دیکھ لیا۔ بھرے پرے خاندان میں دادا عبدالمطلب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیارا کوئی نہ تھا۔ مکہ کا شاندار بزرگ عبدالمطلب اپنے رب کے پاس جا پہنچا تو ان کے سب سے بڑے بیٹے ابوطالب اس معزز گھرانے کے سربراہ ہوگئے۔ ابوطالب جو ایک نہایت شفیق عادل اور باصلاحیت انسان تھے۔ دانش مندی کا پیکر تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے گوہر آبدار کی دیکھ بھال ابوطالب سے بہتر کوئی نہ کرسکتا تھا۔ ابوطالب انہیں اپنے ساتھ ساتھ رکھتے، سفر میں اور حضر میں۔ ملک شام کے تجارتی سفر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نئی دنیا میں لے جاتے۔ انہیں کوئی مدرسہ میسر نہ آیا تھا۔ لکھنے کا رواج عرب میں نیا نیا شروع ہوا تھا۔ یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان کے ماحول اور خداداد حکمت سے ہوئی۔ دنیا میں جو بڑے بڑے حکیم اور فلاسفر گزرے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز فطرت کی تنہائی اور صحرا کے ویرانوں میں اپنے خیالات اور مشاہدات کے ساتھ رہتے تھے۔ شہر کے لوگ انہیں الامین کہتے تھے۔ ایسا سچا اور کھرا شخص جو اپنے قول وفعل میں ہی سچا نہیں اپنے خیالات کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی صادق تھا۔ خاموش طبع لیکن کوئی بات کہنی ہو تو خلوص، وضاحت اور دانشمندی کے ساتھ۔ موضوع سخن کو روشن کرتی ہوئی۔ اس کی ہر بات کہنے کی بات، سننے کی بات، مضبوط شخصیت، برادرانہ انداز، سنجیدہ مزاج، پرخلوص کردار، اس پر گرم جوش جو چاہے اس کے قریب ہونا چاہے۔ پھر نہایت خوبصورت انسان، معصوم روشن چہرہ، صحرا کی دھوپ میں کھلتا ہوا گندمی رنگ، سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں۔ مجھے تو آپ کی پیشانی مبارک کی وہ دربد بھی بہت

بھلی لگتی ہے جو جوش کے عالم میں ابھر آیا کرتی تھی۔ آگ اور نور، جلال اور جمال کا مظہر ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم''۔

خدیجہؓ سے آپ کی شادی کی داستان کتنی حقیقی اور پیاری ہے۔ خدیجہؓ کے خادم کے ساتھ تجارتی قافلہ ملک شام تک لے جاتا، الامین کی امانت داریاں، آپ کے بلند کردار کے بارے میں خادم کے انتھک بیان خدیجہؓ کے دل میں ان کیلئے احسان مندی اور عقیدت کیسے نہ جاگتی؟ یہ پچیس برس کے تھے، وہ چالیس برس کی تھیں لیکن اب بھی پھول کی طرح حسین ان کی زندگی محبت، امن وسکون اور تکمیل ذات کا جیتا جاگتا نمونہ تھی اور آج بھی ہے۔ لوگ جو اس ذات پاک پر جھوٹے الزامات لگاتے ہیں وہ سب اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب پاکباز، پاک دل، خدیجہ ۶۵ برس کی عمر میں وفات پا گئیں! آپ ﷺ اس وقت بچاس برس کے ہو چکے تھے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ زندگی ایک ایسی شمع ہے جس کا شعلہ پچاس برس کے بعد سرد ہونے لگتا ہے۔ انسان کو امن وسکون ہمیشہ سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہستی تھے جو عالم شباب میں بھی حسن کردار کا مرقع تھے۔ اب اگر ان کے کردار میں ذرا سا جھول آجاتا تو ان کے پروانے بڑھنے کے بجائے گھٹنے لگتے۔ معزز سامعین یاد رکھئے کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب خدا کے رسول ﷺ ہی نہیں ریاست مدینہ کے بانی حکمران تھے۔ پیغمبر اور حکمران جو دن رات کی کسی گھڑی میں بھی کھل کر اعلان کرسکتا تھا لوگو! میں یہاں ہوں۔ اس کا دل اس کا گھر اپنے اور پرائے کیلئے دن رات کھلا تھا۔ ایسا اعتماد، اتنی دیانتداری، صرف خدا کی جانب سے عطا ہوسکتی ہے۔ ایسے شخص کا ہر لفظ قدرت کے دل کی براہ راست آواز کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ انسانوں کے سننے کی بات ایسی جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کے سوا جو کچھ ہے مقابلتاً ہوا سے ہلکا۔ میں یہاں ہوں، میں یہ ہوں، میں یہ کرتا ہوں اور وہ نہیں کرتا۔ اس کی زندگی بڑے بڑے حروف میں لکھی ہوئی کھلی کتاب۔ فلسفوں کی بحثیں، یونانی حکیموں کی دلیلیں، یہود کی گنجلک روایات، عربوں کی روز وشب کی بت پرستیاں، کیا یہ اس تہذیب میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب دے سکتی تھیں؟ کیا آج کی تہذیب کے سوالوں کا جواب دے سکتی ہیں؟ جی نہیں! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نازل ہوا اس کے مقابل جو کچھ ہے ہوا سے ہلکا ہے۔ جی ہاں! ہوا سے ہلکا ہے۔ اس لئے کہ اس مقدس پیغام کا خالق وہ ہے جس نے کائنات کو بنایا ہے۔

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

سامعین! میں ایک بار پھر پورے اعتماد، یقین اور قوت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز فطرت کے دل کی آواز تھی۔ براہ راست آواز۔ اس محترم ہستی کے سامنے صرف کائنات ہی نہیں تھی، کائنات کا ضمیر بھی تھا۔ ذوق نظر ہی نہیں کائنات کی حقیقتوں کو دیکھنے والی نگاہ تھی۔ آپ ﷺ نے عربوں کو کیا خوب سمجھایا۔ جو فرمایا دلوں میں اتار دیا۔ پتھر اور سیاہ لکڑی کے بنے ہوئے آبنوس اور ہاتھی دانت کے ترشے ہوئے خوبصورت صنم شاید خود بھی کلمہ توحید پڑھنے لگے ہوں۔ بت پرستی کی خوگر قوم تھوڑے عرصے میں سمجھ گئی کہ ان بتوں کے گرد وہ کتنے ہی پھیرے لگالیں، وہاں کتنی رونقیں سجالیں اور ان کے قدموں میں بڑی سے بڑی دولت نچھاور کردیں۔ سچا خدا ان دیوی دیوتاؤں اور ان پجاریوں اور داسیوں کو دیکھ مسکرا رہا ہے۔

عرب والے مکہ کے اس عظیم فرزند کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ سب کچھ کر سکتے تھے۔ جی ہاں! تھوڑے ہی عرصے

میں انہوں نے ریاست مدینہ کی مقدس زمین پر رومی بادشاہ ہرقل کا تاج لاڈلا تھا اور فارس کے زبردست فرمانروا خسرو کا تاج اور ان کے خزانے لیکن اجازت ہو تو ایک سوال پوچھوں۔ اگر لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں دنیا بھر کے بادشاہوں کے تاج خزانے اور جاہ وجلال لاکر نثار کر دیتے تو آپ کیا کرتے؟ جواب دینے سے پہلے سوچ لیجئے کہ وہ زمین پر پیدا ہوئے لیکن زمین کے نہیں تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انسان کو دنیا کیلئے نہیں بنایا گیا۔ دنیا اور کائنات کو اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس مقدس ہستی کو اگر کوئی ادا پسند آسکتی تھی تو انسانوں کی صرف ایک ادا کہ وہ اپنے رب کی زمین پر وہ بہشت اتار دیں جس کا نقشہ قرآن نے کتنی خوبی سے کھینچا ہے اور پھر اپنی بنائی ہوئی جنت کو اگلے جہاں میں دوسری زندگی میں وراثت کے طور پر حاصل کریں۔ آپ نے شاید سنا ہوگا کہ اس فخر انسانیت کو عرب کی بادشاہت، حسین ترین ملکہ اور زر وجواہر کے ڈھیر عربوں نے پیش کئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات نہیں، اس لئے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تھوڑا سا ادراک رکھتا ہوں۔ حیرت مجھے ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بارگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی پیشکش کی۔ ظاہر ہے وہ لوگ آپ کے مقام عالی سے واقف نہ تھے۔ میرے ہم وطنو! میرے ہم رنگو! میرے ہم مذہبو! ہو سکے تو یہ سچائی تسلیم کرلو کہ تم بھی دنیا کی مقدس ترین ہستی کی عظمت سے ان جاہل بدو سرداروں کی طرح نابلد ہو۔ مغرب کے اہل قلم نے تمہیں وہ زہر پلایا ہے اس عظیم ہستی کے خلاف جو تمہاری نس نس میں سما گیا ہے۔ کیا یہ اس کا نقصان ہے؟ سورج کو دیکھنا ہو تو ادب سے نگاہیں جھکا کر دیکھو۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھو گے تو بینائی جاتی رہے گی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان میں چند روز کے لئے گوشہ نشین ہو جاتے تھے۔ اپنے دل سے بات چیت پہاڑوں کے سناٹوں، ریگستان کی تنہائیوں میں ایسا پرسکوت ماحول میں انسان فطرت کی وہ آوازیں بھی سن لیتا ہے جو بہت دھیمی، بڑی مدھر ہوتی ہیں۔ میں سنتا ہوں کہ اس طرح کی گوشہ نشینی کا عربوں میں ایک عام رواج چلا آرہا تھا۔ عمر مبارک کا چالیسواں سال تھا۔ آپ ﷺ مکہ کے قریب ماہ رمضان میں غار حرا کی سنسان تنہائیوں میں عبادت اور غور فکر میں مشغول تھے۔ وہ اپنی سلیقہ مند بیوی خدیجہؓ کے پاس آہستہ سے تشریف لائے اور کہنے لگے ''خدیجہ! اندھیرے چھٹ گئے ہیں، سچائی کی شمعیں روشن ہوگئی ہیں۔ دیکھ! یہ جو لکڑی، پتھر، ہاتھی دانت، آبنوس کے بت ہیں، یہ جھوٹ ہیں، انہیں تو بندوں نے خود تراش لیا ہے۔ سچا خدا ایک ہے اور وہ بہت بڑا ہے، اتنا بڑا کہ اس کے سوا کوئی اور بڑا نہیں، وہ حق ہے، وہ اصل ہے اللہ اکبر! ہمیں ہر طرح کے بتوں کو ترک کرنا ہوگا تاکہ ہم صرف سچے واحد خدا کی بارگاہ میں سر جھکا سکیں سنو خدیجہ! اس کا نام اسلام ہے۔

سامعین! میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ عظیم جرمن فلاسفر اور شاعر گوئٹے نے اٹھارہویں صدی میں کہا تھا ''اگر خدا کی رضا کے آگے سر جھکانے کا نام اسلام ہے تو کیا ہم سب اسلام میں نہیں جی رہے ہیں؟'' ٹھیک کہا تھا گوئٹے نے۔ ہم سب جن میں اخلاقیات کا ایک شمع بھی باقی ہے۔ اسلام میں جی رہے ہیں۔ حکمت انسانی کی بلندی یہ ہے کہ وہ حقیقت پہنچانے کہ اسے خالق کائنات کے قوانین کے آگے سر جھکانا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ قوانین اسے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔ ایسا اس لئے ہے کہ حکمت خداوندی اعلیٰ ترین اور بہترین ہے اور یہ حکمت

کائنات کی ضرورت ہے۔ حکمت خداوندی کو چیلنج نہ کیجئے۔ خاموشی سے اس کی تکمیل کیجئے۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی واحد اخلاقی اقدار یہی اقدار ہیں، جو خالق کائنات نے اپنے آخری پیغمبر پر نازل فرمائیں۔ آج نہیں تو مستقبل میں لوگ سمجھیں گے کہ کائناتی قوانین سے ہم آہنگ صرف یہی قدریں ہیں۔ اے میرے سننے والو! فتح یاب ہونا چاہتے ہو، کامرانی کے آرزومند ہو تو ان احکام کو سینے سے لگاؤ۔ ایسا نہ کروگے تو تمہاری روح مٹ جائے گی فنا ہوجائے گی۔ نیکی، اچھائی، خوبی، بھلائی، اسلام کی روح ہے۔ جیسے تم سمجھتے ہو کہ عیسائیت کی روح ہے۔ عیسائیت دنیا میں اسی لئے وارد ہوئی تا کہ اسلام کی راہ ہموار کر سکے۔ تمام خیر اور معراج حکمت خدا کی جانب سے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ اکبر'' خدا سب سے عظیم ہے۔ اسلام کے تحت ایمان کی انتہا کیا ہے؟ یہ ہے کہ اے خدا تو میری جان لے لے پھر بھی میں تیرا ہوں اوہ! یہ میں نے کیا کہہ دیا؟ پانچ سو سامعین میں سے کسی نے مجھے نہیں ٹوکا! اسلام میں یہ ایمان کی انتہا نہیں ابتدا ہے۔ اسلام تو وہ اعلیٰ ترین راہ زندگی ہے جہاں پہلے قدم پر بندے کی آرزوئیں، تمنائیں، خواہشات، احکام خداوندی میں مدغم ہوجاتی ہیں۔ بندے کے لئے اس سے بڑی حکمت و دانش آسمان سے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوئی۔

نگاہوں کو، عقل و خرد کو چندھیا دینے والی روشنی جو اس عرب امی پر جلوہ گر ہوئی اتنے سیاہ اندھیروں میں جب انسانی تہذیب کے سر پر ظالم موت منڈلا رہی تھی۔ اس چکا چوند کر دینے والی روشنی کو اس حیات بخش نور کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کہا، وہی بواسطہ جبرائیل۔ کیا میں اور آپ اس انوکھے تجربے کو اتنا خوبصورت نام دے سکتے تھے۔ وہ چاہتے تو آیات الٰہی کو اپنے جینئس ذہن کی تخلیق قرار دیتے۔ پھر کیا ہوتا؟ ایسا پرشوکت کلام کہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجنے لگتے لیکن انہوں نے کہا لوگو! میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں اور یہ کلام میرا نہیں ہے۔ کیا آپ کوئی ایک مصنف ایسا بتا سکتے ہیں جو اپنی سحر انگیز تصنیف کو اپنانے سے انکار کرے۔ کیا ایسا فرد امین و صادق کہ سوا کچھ ہوسکتا ہے۔ خدا نے آپ کو وہ اعزاز بخشا جو آپ کے شایان شان تھا۔ اس کا آخری پیغام تمام انسانیت کے نام!

خدیجہؓ کیسی باکمال خاتون تھیں۔ دنیا کا سب سے انوکھا تجربہ نزول وحی اس کے مقدس شوہر نے بیان کیا اور وہ بول اٹھی ''ہاں! یہ سچ ہے۔ حق اول تا آخر!'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ برس سے اس عظیم خاتون کے خوش نصیب شوہر تھے۔ میں سمجھتا ہوں اور دونوں کی زندگی کے یہ دو پل ''ہاں! یہ سچ ہے۔ حق اول تا آخر ان کی پچیس سالہ ازدواجی زندگی کے سب سے زیادہ بیش قیمت دو پل تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جوہر شناس اور نفیس انسان خدیجہؓ کی محبت اور اس کی نوازش کو کیسے بھول سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار عائشہؓ نے پوچھا (وہ ذہین، خوبصورت اور نوجوان عائشہ جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ کی وفات کے تین برس کے بعد شادی کی تھی) کیا آپ مجھے خدیجہؓ سے زیادہ نہیں چاہتے؟ وہ تو ایک بیوہ تھیں اور عمر رسیدہ ہوچکی تھیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم نہیں اس خاتون نے مجھ پر یقین کیا جب کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ بھری دنیا میں اگر میرا دوست تھا تو وہ خدیجہ تھیں۔

بہرکیف آپ ﷺ نے اپنا پیغام ہر شخص کو سنایا۔ اس فرد کو بتایا۔ ایک سے کہا۔ دوسرے تک پہنچایا لیکن اکثر لوگوں نے

اس مبارک پیغام کا مذاق اڑایا۔ کسی نے بے تعلقی برتی تو کسی نے بے پروائی۔ میرا خیال ہے تین لمبے برسوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کرشماتی ہستی کو صرف تیرہ ساتھی میسر آئے۔ پھر ایک دن آپ نے اپنے خاندان کے چالیس افراد کو اپنے گھر مدعو کیا شک وشبہ کے سناٹے میں ایک سولہ سالہ نوجوان جوش میں کھڑا ہوگیا۔ ''میں آپ کا ساتھ دوں گا'' یہ نوجوان کون تھا؟ علیؓ ابن ابی طالب۔

تاریخ عالم کے عظیم ترن ہیرو، انسانیت کے محسن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ مبارک میں اپنے گھرانے کے چالیس افراد سے پوچھ رہے ہیں۔ کون ہے جو میرے مقدس مشن میں میرے ساتھ کھڑا ہوگا؟ ایک ۱۶ رسالہ لڑکا نہایت جوش کے ساتھ فوراً کھڑا ہوجاتا ہے وہ کون ہے؟ علیؓ ابن ابی طالب! بذات خود ایک تاریخ ساز ہستی۔ یاد رکھئے کہ اس بچے کے قریب ہی اس کا محترم والد بھی تشریف فرما ہے، ابوطالب۔ وہ ابوطالب جس کے سامنے نگاہیں اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ اس محترم بزرگ کی سنجیدہ باوقار خاموشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اپنے عزیز بیٹے کے حق میں ایسی خاموشی ہے جو گفتار پر بھاری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس موقع پر ابوطالب کچھ کہتے، کچھ بھی کہتے تو اتنا بااثر نہیں ہوسکتا تھا جتنی بااثر یہ پروقار خاموشی تھی۔ جو لوگ اس بزم میں حاضر تھے وہ پہلے حیران ہوئے کہ ابوطالب ایک ان پڑھ بوڑھا اور اس کا چھوٹا ۱۶ سالہ بیٹا اس مشن کی تائید کرنے چلے ہیں جو محمد ابن عبداللہ کی دیوانگی کے سوا کچھ نہیں۔ بنی نوع انسان کی زندگیاں بدلنے کا مشن۔ ان ہی لوگوں میں کچھ ایسے نادان بھی تھے جنہوں نے ساری بات ہنسی میں اڑانا چاہی مگر معزز سامعین! یہ ہنسنے کی بات نہیں تھی۔ آنے والے وقت نے ثابت کردیا کہ یہ محفل نہایت سنجیدہ تھی اور دنیا کا نقشہ بدل دینے والی تھی۔ اس بچے کے بارے میں اور کیا کہوں؟ آپ اس سے صرف محبت کرسکتے ہیں۔ پاک ذہن، محبت کا پیکر اور اس پر آتشیں شجاعت، مجسم سخاوت، شیر سے زیادہ بہادر، سداحق پر قائم اور پروقار! ہمارے کلچرل میں علیؓ جیسی ہستی کو عطا کرنے کے لائق کوئی خطاب تک نہیں۔ نہ سر نہ لارڈ۔ پھر اتنا بڑا انسان کہ جب عراق میں قاتل نے اسے مہلک زخم لگائے تو اس نے کہا 'اگر میں بچ گیا تو حملہ آور کو معاف کردینا لیکن اگر زخم کاری ثابت ہوا تو قاتل کو فوراً قتل کردینا۔ اس لئے فوراً قتل کرنا تاکہ میں اور وہ ایک ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور خدا کا عدل وہ اپنی آنکھوں سے فوراً دیکھ لے۔

پیغمبر ﷺ سے قریش کے لوگ خانہ کعبہ کے متولی اور بتوں کے نگہبان ناراض تھے، انہیں ناراض ہونا ہی چاہئے تھا۔ حق وباطل کی کشمکش شروع ہوچکی تھی۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان کا مقدس مشن کامیاب ہوکر رہے گا۔ ہر چند کے مخالفت زور دار تھی لیکن حق و باطل کے معرکے میں امپائر انسان نہیں ہوتے قدرت امپائر ہوتی ہے۔ سچائی غالب آکر رہتی ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکتہ خوب جانتے تھے پھر بھی ان کے رب نے اپنے کلام سے اس پر مہر تصدیق ثبت کی۔ قدرت عجیب امپائر ہے۔ اس میں بڑی عظمت ہے، وسعت ہے، گہرائی ہے اور تحمل ہے۔ آپ گندم کا دانہ لیجئے اور اسے زمین کے سینے میں دبا دیجئے۔ یہ بیج بوتے وقت اس بیج پر خاک لگی ہو، بھوسہ لپٹا ہو، سوکھی گھاس ہو، کچھ بھی ہو اگر آپ نے اسے ایک نرم زرخیز مٹی میں بویا ہے تو قدرت اس میں سے گیہوں اگا کر رہے گی جو گرد، جھاڑ جنکاڑ، گھاس پھوس آپ نے گندم کے اس بیج کے ساتھ زمین کے سپرد کردیئے ہیں۔ قدرت

خاموشی سے انہیں جذب کر لے گی۔ آپ سے گلہ نہ شکوہ! پھر دیکھئے سنہری سنہری گندم کی بالیاں۔ اتنی وسیع القلب ہے نیچر اور کمال یہ ہے کہ فالتو اجزا جو بیج کے ساتھ زمین میں چلے گئے ہیں انہیں بھی فطرت ضائع نہ ہونے دے گی۔ انہیں بھی کسی کام میں لے آئے گی۔ قدرت سچی ہے اور ماں کی طرح شفیق ہے۔ یہی سلوک وہ ایک پاک دل کے ساتھ کرتی ہے۔ اس پاک دل سے رحمتوں اور برکتوں کے پودے اور شجر جنم لیتے ہیں۔ افسوس مجھے اس بات پر ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم پاک باز دل کو جسم کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔ وہ جسم جو ایک سا نہیں رہتا۔ یہ جسم جس میں سچائی ہے اور حق پنہاں ہے وہ تو فانی ہوتا ہے۔ لیکن میں یقین سے کہتا ہوں کہ جس طرح سچائی کبھی نہیں مرتی اسی طرح پاکیزہ روح کو بھی کبھی موت نہیں آتی۔ یہ ہے قدرت کا قانون۔ سچائی لافانی ہوتی ہے۔ انسان پر قدرت نے یہ مہربانی کی ہے کہ وہ گرد تنکے، بھوسے کو نہیں دیکھتی اسے نظر انداز کر دیتی ہے۔ اسے اس بات سے مطلب ہے کہ تمہارے اندر نشو ونما پانے کے قابل بیج ہے یا نہیں۔ میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم خود کو خالص انسان سمجھتے ہو۔ کھرا انسان کہتے ہو لیکن تمہارے اندر بیج نہیں ہے۔ سنی سنائی باتوں، اندھی تقلید اور رسم پرستی کی وجہ سے تم نے آمنہ کے فرزند صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہی نہیں۔ میری رائے میں تم کچھ نہیں ہو۔ میری نگاہ میں تمہارا وجود ثابت نہیں ہے۔ قدرت کو تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ہمارے کچھ محققین بڑا ہانکتے ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مسیحیت سے اخذ کی گئی ہے۔ بحث میں پڑنے کی بجائے میں اتنا پوچھتا ہوں کیا یہ تعلیم مسیحیت سے بہتر نہیں ہے؟ ایک زندہ اور لازوال نظام حیات۔ ایک صحرانشین اپنے حیات بخش مخلص دل اور چمکتی ہوئی دوربین نگاہوں سے ہر معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اظہار کی سادگی ملاحظہ کیجئے۔ وہ اپنی قوم سے کہتا ہے دیکھو تو سہی تمہاری صنم پرستی ہے کیا؟ لکڑی اور پتھر کے چند بت جنہیں تم خود تراش لیتے ہو۔ انہیں زیتون کے تیل سے چمکاتے ہو۔ موم پگھلا پگھلا کر انہیں خوبصورت بناتے ہو۔ پھر دیکھتے ہو کہ تمہارے ان معبودوں پر مکھیاں آ بیٹھتی ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کہ تمہارے یہ معبود جو اپنے اوپر بیٹھی مکھیاں نہیں اڑا سکتے تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ یہ تو بے جان بے زور پیکر ہیں جن کی تعظیم میں تمہاری اپنی توہین ہے۔ انسانیت کی توہین ہے۔ معبود حقیقی صرف خدا ہے۔ صرف وہی ہے جو قادر ہے، زبردست ہے۔ اس نے ہمیں بنایا ہے۔ وہی ہمیں مار سکتا ہے۔ وہی ہمیں زندہ رکھتا ہے۔ اللہ اکبر! جان لو کہ خدا کی رضا میں اس کی فرمانبرداری میں تمہاری فوز وفلاح ہے۔ اگرچہ تمہیں اس راہ میں دکھوں کے دریا سے گزرنا پڑے اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ کیا تم فوز وفلاح نہیں چاہتے؟ خوش نصیب تھے وہ لوگ جنہوں نے اس مقدس ہستی کی آواز پر لبیک کہا۔ اس کا پیغام تو اتنا دلکش تھا کہ شخص کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اتنا سادہ اور برکتوں والا ہے کہ اسے قبول کر کے جو انسان چاہے دنیا کا پیشوا بن سکتا ہے۔ جی ہاں! ہر شخص جو چاہے۔ یہ اس لئے کہ وہ یکا یک زندگی کے مصنف خدائے ذوالجلال کی تحریر کا حرف بن جاتا ہے۔ اس سے بہتر فریضہ کیا ہوگا کہ انسان خالق کائنات کے رجحان سے ہم آہنگ ہو جائے۔ کیونکہ بالآخر یہی ہونے والا ہے کہ خالق نے جو سمت اس جہان کیلئے متعین کر دی ہے یہ جہان اسی سمت میں آگے جا رہا ہے اور جائے گا۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس منزل شناس قافلے کے

مسافر بنتے ہیں۔اے آدم کے بیٹو!اور آدم کی بیٹیو!اس قافلے کی راہ گزر کا نقشہ اپنے دلوں میں ثبت کرلو۔اسلام نے انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا کہ اس نے منزل کے حصوں کا ایک سیدھا راستہ دکھایا اور منزل سے دور لے جانے والی راہوں کو بھی واضح کردیا۔یہ بھی وہ عظیم سچائی ہے جو فطرت کے دل سے اٹھی تھی۔وہ باطل جسے مٹنا تھا مٹ کر رہا۔حق کی آتش نے باطل کی خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کردیا۔

حق و باطل کی کشمکش کے مدوجزر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو لکھواتے رہے یاد کرواتے رہے جسے قرآن کہتے ہیں۔ کتنا پیارا نام ہے۔''قرآن''یعنی وہ صحیفہ جو پڑھنے کے لائق سمجھنے کے قابل اور عمل کیلئے مہمیز۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے مقدس ساتھی دنیا سے سوال کرتے رہے۔کہو یہ مقدس کلام معجزہ ہے یا نہیں؟ ۱۲۰۰ برس گزر گئے۔آج کے دن محمڈن لوگ (مسلمان) آج بھی قرآن سے وہ عقیدت رکھتے ہیں جو بائبل کے ماننے والے مسیحیوں کو بائبل کے ساتھ نصیب نہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب وہ قانون ہے اور وہ عملی تعلیم ہے جو بنی نوع انسان کے لئے رہتی دنیا تک انسانی تہذیب وتمدن کا اعلیٰ ترین معیار رہے گا۔نزول وحی کی ابتداء یعنی ۶۱۰ء کے بعد دنیا کا ہر نظام ہر فلسفہ اس مقدس پیغام کے سامنے جانچ پرکھ کے لئے رکھنا ہوگا۔گوئٹے نے جو کہا ہے کہ انسانی دماغ نظام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔کتنی سچی بات کہی ہے اس نے! جتنے نظام ہائے تمدن انسانیت کے ایوانوں میں پیش کئے جائیں گے ان کی کسوٹی ہمیشہ کے لئے اگر کچھ ہوگی تو وہ ہوگی نظام محمد صلی اللہ علیہ وسم اور کچھ نہیں۔میں گوئٹے سے پوری طرح متفق اس لئے ہوں کہ محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام براہ راست، بلاواسطہ بہشت کا پیغام ہے۔

سامعین! قرآن کریم نے بہشت کی جو حسین ترین تصویر کشی کی ہے وہ دل بہلانے کا سامان نہیں اٹل حقیقت ہے اور یہ تصویر ہمیں اس لئے دکھائی گئی ہے تاکہ ہم اپنی زمینی زندگی کو اپنے معاشرے کو اسی سانچے میں ڈھالیں جہاں صرف فوز ہے، وہ زندگی جہاں نہ خوف ہے نہ غم۔یہ وہ مقدس صحیفہ ہے جو پڑھنے کے لائق سمجھنے کے قابل ہماری کامرانیوں کا ضامن۔مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ قرآن مقدس کو پڑھیں۔اسے سمجھیں اور اس لافانی نور میں اپنی زندگی کا سفر طے کریں۔

مسجدوں میں ہی نہیں گھروں میں یہ مقدس کتاب روزانہ پڑھی جاتی ہے۔۱۲ صدیاں گزر چکی ہیں قرآن کریم کی اہمیت وقت کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔مسلمانوں کو ہی نہیں کرہ ارض کے تمام باشندوں کو یہ کتاب عظیم بار بار پڑھنی چاہئے۔مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ بعض مسلمان محمڈن علماء ایسے بھی گزرے ہیں جو کاش قرآن کو اپنی زندگی میں ستر ہزار نہیں.....، ستر سو نہیں، ستر نہیں سات نہیں زندگی میں ایک بار سمجھ کر پڑھ لیتے۔ میں نے بذات خود جارج سیل GEORGE SALE کا ترجمہ قرآن پڑھا ہے۔میں نے تمام عمر اتنی محنت طلب کتاب نہیں پڑھی۔میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے جو ترجمے اور ترجمانیاں ہوئی ہیں وہ کلام خداوندی کا حق ادا نہیں کرتیں۔اگر کسی یورپین کو انگریزی یا کوئی بھی یورپی ترجمے ملیں تو بغیر ڈیوٹی سمجھے ہوئے یہ کتاب نہیں پڑھ سکے گا۔میں نے سنا ہے دیگر زبانوں میں بھی اس کلام الٰہی کے ترجموں کا یہی حال ہے۔خالق کائنات نے اپنا پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کردیا۔یہ ناقص وناداں انسان ہی ہے جو اسے

خدا کے بندوں تک نہ پہنچا سکا۔ جس طرح میرے اور سارے جہاں کے محسن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا تھا۔ ہوسکتا ہے عرب اسے ہم سے بہتر سمجھتے ہوں لیکن شاید وہ بھی پڑھتے ہیں سمجھتے نہیں۔ صفحات کی گنتی پوری کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہم سے بہتر انسان ہوتے۔ کسی عرب کو قرآن پڑھتے ہوئے سنئے گاتے ہوئے نہیں، پڑھتے ہوئے تو میرے یورپین ساتھی بھی قرآن کی پرشکوہ روانی، غنائیت اور بحر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جیسے صحرا کے سناٹے میں خاموش سنسان تنہائیوں میں دل کو ابھارنے والا کوئی گیت۔ ترجموں میں وہ بات کہاں؟ کوئی تو بات ہے جو اٹھارہ کروڑ انسان اس کتاب پر نثار ہیں۔ (صاحبو ۱۸۴۰ء میں اتنے ہی مسلمان تھے دنیا میں۔ مترجم) قرآن اپنا لا انتہا اثر اس وقت آپ کے دلوں پر شروع کرتا ہے جب آپ اس کی کچھ آیات سمجھ کر اس کتاب کو بند کر چکے ہوتے ہیں اور یہ اثر بڑا ہی دیرپا ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ یہ سچا اور کھرا پیغام الٰہی ہے۔ میں تو یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اگر کوئی راہ گم کردہ انسان پراپیگنڈے سے متاثر ہوکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننے سے انکار کردے تو آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب ایسے راہ گم کردہ شخص کو راہ راست پر لانے کے لئے کافی ہونی چاہئے۔ دنیا کی واحد کتاب اور عجیب منظر! لوگ کہتے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کتاب تم نے لکھی ہے اور کہتے ہیں نہیں لوگو! میں تو محض ایک بشر ہوں تم جیسا اور تم جانتے ہو کہ میں امی ہوں، پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ قرآن جو ہے وحی کے سوا کچھ نہیں، جو میرے قلب پر نازل کی جاتی ہے۔ سامعین کرام! کیا آپ تاریخ عالم سے کوئی ایک مثال ڈھونڈ کر لاسکتے ہیں جہاں کسی پرشوکت کتاب کے بارے میں کہا گیا ہو۔ لوگو! یقین مانو یہ کتاب میں نے نہیں لکھی۔

یاد رکھئے! کہ نزول وحی اس کا املا اور کتابت ان سب حالات میں جاری ہے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزماں اللہ کے آخری رسول روئے زمین پر مصروف ترین انسان ہیں۔ زندگی اور موت کی کشاکش ہے جنت اور جہنم کی کشمکش جاری ہے۔ قانون سازی ہے، سپہ سالار ہے، گھریلو ذمہ داریاں ہیں۔ میدان کارزار ہے، تبلیغ ہے، لوگوں کی اصلاح ہے، رعایا کی فلاح ہے، محنت ہے، مشقت ہے، عبادت ہے، دعوت ہے، جنگ ہے، امن ہے، رات ہے، دن ہے، سفر ہے، حضر ہے، جلوت ہے، سوال ہیں، جواب ہیں، تعلیم ہے، تربیت ہے، مسجد و منبر، فنا و بقا، تدبیر و تقدیر مسائل کی تشریح ہے، تشریحوں کی تاریخ ہے۔ آپ ہی بتائے کیا نہیں ہے؟ نبوت کے ان ۲۳ سالوں میں، میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ آپ کی حیات پاک میں سکون کے ایک لمحے کا گزر ہوا ہو۔ خیالات کے سمندر میں ایک مقدس ذہن کی شکستی افکار کی لہروں پر ہچکولے کھاتی ہوئی۔ اتنے زبردست طوفان میں اس کشتی کو خالق نے اپنے ہاتھوں سے سنبھالا۔ جبرئیل کو بھیج دیا۔ وہ جبرئیل جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنی ہی کھلی ہوئی حقیقت تھا جتنا ہمارے لے ایک واہمہ یا تصور ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ فطرت کا یہ عظیم فرزند جبرئیل کے لائے ہوئے پیغام کو جب عرب کے صحرا نشینوں کے آگے روز پڑھتا ہے۔ آئے دن انہیں نئی وحی سناتا ہے تو وہ سب اور زیادہ اس کے دیوانے ہوجاتے ہیں۔ قریب تر ہوجاتے ہیں۔ کیا جھوٹ میں ایسی مقناطیسیت ہوسکتی ہے؟ مجھے اپنے ہم وطنوں کی ذہنیت پر افسوس ہے جو ان حالات پر غور کئے بغیر ایسے عظیم الشان انسان کی بارگاہ میں گستاخی کرتے ہیں۔

میں نے اپنی ادبی، فکری اور قلمی زندگی سے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے کہ کتاب کوئی ہو، اس کی عظمت کا معیار بالآخر خلوص

ہوتا ہے۔ بندے کے حق میں اس سے زیادہ مخلص کون ہوسکتا ہے جس نے اسے بنایا۔قصہ مختصر جس خالق نے بندے کو بنایا۔اس نے رہنماؤں کے لئے قرآن بھی نازل کیا۔ میں آپ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ خلوص کی کسوٹی پر یہ کتاب لاثانی ہے۔کھری ہے، خالص ہے۔ بدقسمتی ہے انسان کی کہ خالص سونے کے گرد کھوٹ چڑھادیا گیا ہے۔میرا مطلب ہے کہ کتاب الٰہی کے سمجھنے میں نہ جانے کن کن لوگوں نے مختلف طریقوں اور ناموں سے روایتوں کے ڈھیر لگادیئے ہیں۔ جی ہاں! سونے کے ارد گرد کھوٹ۔ میں تو چلا جاؤں گا۔آپ لوگ جو میری باتیں اتنی محبت سے سن رہے ہیں آپ سب بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے لیکن ممکن ہے کہ آج میرے دل سے نکلی ہوئی باتیں وقت کا بے رحم ہاتھ محفوظ کرلے اور نہیں تو آئندہ صدیوں میں آنے والے ایک دو صاحب فکر ونظر دنیا تک پہنچائیں۔

جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے اسی طرح ان کی زندگی بھی سچائی کے سوا کچھ نہیں تھی۔انہوں نے دنیا کو بتایا کہ یہ کائنات نہ کسی کا خواب ہے اور نہ ہی ایک عکس، شبیہ یا مثال! یہ کائنات ایک ٹھوس اٹل حقیقت ہے۔فطرت کا یہ فرزند عظیم جانتا تھا کہ زندگی اور موت بھی اٹل حقیقت ہے۔خواب اور واہمہ نہیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات میں آسمانی کروں کی، نباتات و جمادات، ہواؤں، پہاڑوں، بادلوں، سیاروں اور ستاروں کا ایسا دلچسپ اور مستند بیان ملتا ہے جو انسانی ذہن کی پیداوار ہو ہی نہیں سکتا تھا۔آپ اپنی قوم کو عبرت کے طور پر اور نصیحت و ہدایت کے لئے بار بار انبیائے کرامؑ کی داستانیں سناتے ہیں۔کبھی ابراہیمؑ، کبھی ہودؑ، کبھی موسیٰؑ، کبھی عیسیٰؑ، کمال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ میں گم ہوکر نہیں رہ جاتے۔ وہ تاریخ سے سبق سکھاتے ہوئے اس طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں کہ ان کا پچھلا قدم تاریخ میں ہوتا ہے اور اگلا قدم مستقبل میں لیکن دل و دماغ آج کی حقیقتوں پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ جی ہاں! غیر معمولی نظر تھی ان کی، اس دنیا پر اور دوسری دنیا پر۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی حمد وثنا کرتے رہتے ہیں جو عام آدمی کی سمجھ سے باہر کی بات ہے لیکن ان کی حمد ثنا رسمی نہیں ہے اوروں سے مختلف ہے کیونکہ ان کی نگاہ فطرت کی گہرائیوں اور پہنائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔میں اسے نگاہ پاک کہنا چاہتا ہوں اور نگاہ پاک نہ صرف پاک دل کی علامت ہے بلکہ پاک دل کی ثبوت بھی ہے۔عقیدوں، دلوں، دماغوں، جسموں، جانوں اور زمینوں کا اتنا بڑا فاتح، جب وہ کہتا ہے لوگو! میں تم جیسا ایک بشر ہوں۔تم مجھ سے معجزوں کی امیدیں نہ رکھو تو اس کی بڑائی اور زیادہ ہوجاتی ہے۔آپ ﷺ لوگوں کو سکھاتے ہیں کہ تمہیں میری نہیں ہم سب کے خالق کے عبادت کرنی ہے اور جس کی عبادت کرنی ہے اس کے معجزے تمہارے دائیں بائیں آگے پیچھے، اوپر نیچے ہر سمت بکھرے ہوئے ہیں۔تمہیں صرف دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔ یہ زمین جس میں تمہارے لئے راستے بنائے تم اس پر رہتے ہو۔ چلتے پھرتے ہو۔یہ بادلوں کے پہاڑ جو آسمان کی پہنائیوں سے اترتے ہوئے لگتے ہیں، کہاں سے آتے ہیں یہ؟ تم دیکھتے ہو کہ پھر وہ ہوا میں معلق ہوجاتے ہیں۔پھر یہ بڑی بڑی سیاہ گھٹائیں پانی برسادیتی ہیں، وہ حات بخش پانی جو مردہ زمین کو زندہ کردیتا ہے، پھر اس زمین سے سبزہ پھوٹ پڑتا ہے اور دیکھو ذرا اونچے کھجور کے درخت اپنی شاخوں پر کھجور کے خوشے اور گچھے تمہارے لئے جھلاتے ہوئے۔کیا یہ اللہ کی نشانی نہیں؟ پھر تمہارے مویشی ہیں جنہیں اللہ نے ایسا تابع دار بنایا ہے کہ تم ان سے خدمت لیتے ہو۔غور کرو یہ مویشی تمہارے لئے گھاس کو دودھ بنادیتے ہیں۔تم تو ان کی کھالوں سے بھی کپڑے

بنالیتے ہواوران کی اون سے بھی۔شام ڈھلنے لگتی ہے تو وہ خود ہی گھر آجاتے ہیں۔کیسی نعمت ہے تمہارے لئے؟ جسے دیکھ کر تم خوش ہوتے ہو۔ پہاڑوں جیسے جہاز ہیں جو سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔بادبان تم بنالیتے ہو انہیں چلانے والی ہوائیں کون بھیجتا ہے؟ تم معجزوں کی بات کرتے ہو۔کیا تم خود خالق کا معجزہ نہیں ہو۔اس نے تمہیں مٹی سے بنایا۔یاد ہے تم چھوٹے سے تھے۔جانتے ہو کہ اس سے چند برس پہلے تم کچھ نہیں تھے۔تمہیں متناسب جسم،قوت خیالات عطا ہوئے،ایک دوسرے کے لئے رحم کا جذبہ تمہارے دلوں میں کس نے ڈالا؟ پھر جب عمر بڑھ جاتی ہے تمہارے بال سفید ہونے لگتے ہیں۔طاقت کمزوری سے بدل جاتی ہے۔آہستہ آہستہ پھر تم ڈوب جاتے ہو،مٹ جاتے ہو ایک بار پھر تم کچھ نہیں ہو۔

معزز سامعین! غور فرمایئے کیا کہہ گئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر انسان میں رحم کا جذبہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ خیال بھی انسانی ذہن سے بلند، ماورا خیال ہے۔ براہ راست خالق کائنات کا پیغام۔جو کچھ بھی خیال انسانوں کو دنیا میں بہترین اور صادق ترین ہوسکتا ہے۔وہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ملتا ہے۔

بلند ترین ذہنی سطح پاکیزہ اعلیٰ ترین سوچ، میرے خیال میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے انہیں امی رکھ کر انسانیت پر بڑا احسان کیا۔خدا نے انہیں خود پڑھایا۔اپنی بارگاہ سے علم عطا کیا۔دور بین نگاہ صحرا کی طرح وسیع دل نہایت قوی اور زبردست شخصیت خدا نے انہیں براہ راست عطا کئے۔وہ چاہتے تو دنیا کے عظیم ترین شاعر اور فلاسفر بن جاتے۔جس شعبے میں چاہتے بے مثال ہیرو بن جاتے۔

آپ کی نظر ایسی وسیع نظر کہ کائنات کو خالق کی شناخت کا ذریعہ ہی نہیں اس کی لامتناہی قدرت کا نشان سمجھتی ہے۔پوری کی پوری کائنات اللہ کے وجود ہی کی نہیں اس کی بے حدوحساب قوتوں کی گواہی ہے۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتاتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ جو تم دیکھتے ہو خالق کے ایک ''کن'' کے آگے بادلوں کی طرح روئی کے گالوں کی طرح دھنک دیئے جائیں گے اور کچھ نہیں ہوں گے، کچھ نہیں رہیں گے۔ پہاڑوں کی کیا پوچھتے ہو؟ پورے کا پورا کرۂ ارض لٹو کی طرح گھومتا ہوا خاک اور بخارات کی دھند بن کر لاموجود ہوجائے گا۔جس دن اللہ کائنات سے اپنا ہاتھ اٹھالے گا۔اسی لمحے جو ہے نہیں ہوگا۔جو کچھ ہے وہ اس عظیم قدرت کے طفیل ہے جس کی صفات کے بیان سے بھی ہم قاصر ہیں۔

دنیا و مافیہا کی حقیقت اس عظیم ہستی کے سامنے بے حجاب رہتی ہے۔دور جدید میں آپ لوگ جسے فطرت کے قوانین کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکومت خداوندی کہنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔میرے خیال میں شاید ہی کوئی ایسی بات ہو جو اس سے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہو جو اس صحرانشین نے فرمادیا۔یہ ساری کائنات قوانین فطرت میں جکڑی ہوئی ہے۔اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو یہ اصول نہ دیا ہوتا اور یہ اصول کہ اللہ کے قوانین کبھی نہیں بدلتے تو آپ کی سائنس آج بھی گھٹنوں کے بل چل رہی ہوتی۔

متعصب مسیحی کہتے آئے ہیں کہ اسلام نے جسمانیت کا بہت ذکر کیا ہے وہ یہ بات جانتے نہیں یا چھپانا چاہتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی میں دنیا بھر میں جسمانیت، نفسانی خواہشات اور حرص و ہوس کا جو دور دورہ تھا آپ ﷺ کی ذات اقدس نے اسے اتنا گھٹادیا جو کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔کیا

آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک آسان سا کیف و لطف کا مذہب لے کر آئے تھے۔ آپ غلطی پر ہیں۔ سخت ترین روزے، زبردست اخلاقی پابندیاں، دن میں پانچ دفعہ کی صلوٰۃ، شراب اور جوئے سے مکمل پرہیز، اپنے ہر عمل کو میزان خداوندی میں تولتے رہنا، کیا یہ سب کھیل ہے؟ اور پھر یہ قصہ بھی نہیں کہ اسلام میں جنت مزے سے مل جاتی ہے۔ اس میں تنگ دست فرد کو بھی اور دولت مند شخص کو بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں اترنا پڑتا ہے۔ یہاں تو صورتحال یہ ہے کہ سب سے بڑا اعزاز اپنے پالنے والے کے لئے اپنی پیاری جان نثار کر دینا ہے۔ شہادت حاصل کرنا ہے۔ صحیح معنوں میں خدا کا بندہ اسلام میں وہی ہے جو اپنی عزیز ترین متاع کو اس کی بارگاہ میں قربان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ کتنی عالی شان تعلیم ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چشم زدن میں معمولی کو ہیرو بنا سکتی ہے کہ یہ ہے وہ شخص جس نے اپنی زندگی اپنی دنیا خدا اور رسول ﷺ کی خاطر نثار کر دی۔ ایسے شخص کے آگے دنیا کی ہر کشش ہیچ ہے۔

جب ہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خالد بن ولیدؓ نے دشمن کے کمانڈروں سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا۔

یاد رکھو! تمہارا مقابلہ اس قوم سے ہے جنہیں موت اتنی ہی پیاری جتنی تمہیں زندگی پیاری ہے۔

غور کیجئے کون ہے جو ایسے جانبازوں کے آگے ٹھہر سکتا ہے۔ یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم جو بجھے ہوئے دلوں میں ایمان کے شعلے بھڑکا دیتی ہے۔

بدقسمت ہیں وہ لوگ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی پاک ہستی پر خواہشات نفس کے الزام لگاتے ہیں۔ ایسی باتی وہ لوگ لکھ گئے جو آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چند سو برس بعد اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے اسلام کے غیر مسلم متعصب دشمن تھے۔ آج کے مغربی محققین ان ہی دشمنوں کی دوات سے سیاہی چراتے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی جو کی روٹی، کھجور اور پانی پر گزارہ کرنے والا شخص کبھی عیش وعشرت کی طرف مائل ہوسکتا ہے؟ جب یہ عظیم الشان ریاست مدینہ کا حاکم ہے تو کون سی نعمت ہے جو وہ حاصل نہیں کرسکتا لیکن عالم یہ ہے کہ مہینوں اس کے چولہے میں آگ نہیں جلتی ایسی کوئی اور مثال تم لا سکتے ہو؟

جی ہاں! جو کی روٹی، کھجور، ستو اور پانی پر گزبسر کرنے والی یہ عظیم ہستی تاجدار مدینہ تھی۔ ایسی تاجدار ہستی جس کے قدموں پر دنیا کے سب تاج وتخت نثار۔ زمینوں کا نہیں، دلوں کا بادشاہ۔ انسانوں کی محبتوں اور عقیدتوں کے سب جہانوں کا حکمراں۔ لوگ تو اس کے وضو کئے ہوئے پانی میں برکت ڈھونڈتے ہیں۔ دین ودنیا کی فوز وفلاح ان کی ایک نظر کرم۔ اور وہ عظیم انسان اپنے جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے سی لیتا ہے۔ اتنا امیر انسان، اتنا غنی، اتنا سخی اور مالا مال کہ اس کی غربت پر ہزار سلطنتیں نچھاور۔ وہ غربت جو اس کی اپنی اختیار کردہ تھی۔ وہ اس سادگی اور درویشی کو اپنا فخر کہتا رہا۔ اس درویشی میں جو نکتہ پنہاں ہے وہ اس پیغمبر اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بھی آج نہیں سمجھتے۔ آپ چاہتے تو خزانوں کے ڈھیر آپ کے قدموں میں رہتے لیکن آپ اتنے تونگر انسان تھے جو تونگری اور امیری کو دل کی تونگری اور امیری قرار دیتے تھے۔ شاہ مدینہ کے قدموں میں جو رزق ومال واسباب پیش ہوا تھا۔ اسے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کئے بغیر سو نہیں سکتے تھے۔ کیا آپ گندم کی روٹی، دودھ، بالائی، مکھن، گوشت اور مرغ مسلم اور پلاؤ تناول نہیں فرما سکتے تھے؟ بات یہ ہے سامعین وہ سب آسائشیں استعمال کر سکتے تھے

لیکن استعمال نہیں کرتے تھے۔اس لئے استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ تبوک کے شمال میں اور نجران کے جنوب میں، طائف کے مغرب میں اور ربع الخالی کے مشرق میں ہر ہر بدو کو یہ آسائشیں میسر نہیں تھیں۔ وہ غریب بدو جو کی روٹی، کھجور، ستو اور پانی سے اپنا پیٹ بھرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ میرے ہم وطنو! میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ ایسی درویشی اور ایسی تونگری ایسی قلندری اور ایسی سکندری، ایسی غربت اور ایسی امیری کی صرف ایک مثال انسانوں کی تاریخ سے ڈھونڈ لاؤ۔ ہو سکے تو ڈھونڈ لاؤ اور تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگر ایسی مثال تمہیں کہیں ملے گی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے نام لیواؤں میں ملے گی اور کہیں نہیں۔ یہ کیسا بادشاہ ہے جو محنت کش بھی ہے، محنت کش انسانیت کا محور اور مقناطیس ۲۳ برس کے طویل دور نبوت میں عربوں جیسی سرکش قوم دن رات آپ کے ابرو کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے۔ جنگ جو مہم پسند، تنگ مزاج، آتشی فطرت، لوگ جتنا اس ہستی کے قریب ہوتے ہیں اتنا ہی اور زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ اتنا ہی عقیدت مند اور پروانوں کی طرح جانثار بن جاتے ہیں۔ کوئی تو بات تھی اس مقدس ہستی میں۔ میں سمجھتا ہوں عرب کے نیم وحشی صحرانشینوں کو قانون اور احکام کے دائرے میں لانے اور رکھنے والا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان عربوں نے آپ ﷺ کو پیغمبر مان لیا تھا۔ ٹھیک ہے لیکن ذرا شان پیغمبری تو دیکھو کہ نہ اس میں کوئی راز ہے نہ اسرا۔ وہ لوگوں کے سامنے اپنے کپڑوں میں ٹانکے لگا رہا ہے۔ جوتا سی رہا ہے۔ ان کی نفسیاتی تربیت بھی کرتا جاتا ہے۔ انہیں حکم دیتا ہے اور احکام کی تعمیل میں ان کے ساتھ شریک بھی ہے۔ میدان کارزار میں وہ چٹان کی مانند استقامت کا پیکر ہے۔

سامعین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بارہ سو برس کے بعد ہم بہتر جانتے ہیں یا ساتویں صدی عیسوی کے وہ سادا لیکن تیز نگاہ عرب جانتے تھے جو دن رات آپ کے گرد اس طرح منڈلاتے تھے جس طرح آپ اس ہال کے دلکش بڑے چراغ کے گرد پروانوں کو منڈلاتا دیکھ رہے ہیں۔ آپ اس مقدس ہستی کو جو چاہیں سمجھیں یہ میرا فرض منصبی ہے کہ آج کی شام اپنے معزز حاضرین کو اور آنے والی نسلوں کو یہ بتا جاؤں کہ دنیا کے کسی بادشاہ، حکمران، فاتح، سلطان، راجہ یا مہاراجہ کو اپنی رعایا کا یہ احترام، محبت اور عقیدت نصیب نہیں ہوئی جو عرب کے اس کملی پوش بادشاہ کو عطا ہوئی۔ لبادہ ایسے اوڑھے ہوئے جس میں اس نے اپنے مقدس ہاتھوں سے جا بجا پیوند لگا رکھے تھے۔ محبتوں کی یہ دیوانگی ۲۳ سال لگاتار چلتی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ انسانوں کا کوئی ایسا ہیرو اتنا محترم انسان آپ کو کہیں اور، کوئی اور دکھائی دیتا ہے؟ آپ کی حیات پاک درخشاں جواہرات سے مزین ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بچہ فوت ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں۔ ''اللہ ہی عطا کرتا ہے اور وہی لے جاتا ہے۔ بلند نام تو اسی کا ہے'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ پسندیدہ غلام زید غزوہ موتہ میں شہید ہو جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوان مردی سے فرماتے ہیں۔ ''زید ہمیشہ اپنے مالک کا دم بھرتا رہا اور اب وہ اسی کے پاس چلا گیا ہے'' پھر چند لمحے بعد زید کی بیٹی کیا دیکھتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید کی میت کے قریب بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں۔ وہ لڑکی پوچھتی ہے کہ ''یہ کیا ہے رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں'' یہ ہے تقاضائے بشری ایک دوست کی محبت اپنے دوست کے لئے''۔

ایسی عظمت کی مثال لا سکتے ہو تو لاؤ کہ اپنی وفات سے دو دن پہلے وہ مسجد میں چلا جاتا ہے اپنی کمر سے کپڑا اٹھا کر کہتا ہے ''لوگو! اگر میں نے تم میں سے کسی کو دکھ دیا ہو تو آؤ یہ میری کمر حاضر ہے اور یہ زمین پر کوڑا پڑا ہے جو بدلہ لینا چاہے آج کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ سے بدلہ لے لے''۔

آپ نے دیکھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کہہ رہے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ نہیں فرماتے۔ اس لئے تا کہ شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کوئی شخص جھجک میں پیچھے نہ رہ جائے۔ اتنے بڑے ہجوم میں صرف ایک شخص اٹھتا ہے۔ آپ نے ایک بار مجھ سے تین درہم قرض لئے تھے اور پھر اس بے تاج بادشاہ کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ خندہ پیشانی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے قرض لوٹا دیتے ہیں کہ ''آج کے دن کی شرمندگی یوم آخرت کی شرمندگی سے بہت آسان ہے'' یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم کردار۔ ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیئے۔ کیا وہ ہمارے اپنے نہیں لگتے؟ کیا آپ کو ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم سب ایک ہی مادر فطرت کی اولاد ہیں۔ ہم ان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہیں۔

میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے بھی بے انتہا محبت کرتا ہوں کہ آپ کی زندگی میں دکھاوے کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ عرب کے یہ صحرانشین جو ہیں جیسے ہیں بس وہ ہی ہیں۔ انہیں اپنے اور دوسروں کے کام کرنے میں خدمت بجالانے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ اس میں اعزاز پالیتے ہیں۔ وہ کبھی نہیں کہتے یا ظاہر کرتے جو وہ نہیں ہیں۔ تکبر تو انہیں چھو کر نہیں گزرا۔ ان میں انکساری ہے لیکن ایسی انکساری ہرگز نہیں جو ان کی عزت نفس کو مجروح کر سکے۔ صحرا کا بدو ہو یا سلطنت روما و فارس کے بادشاہ ہوں۔ وہ سب سے ایک ہی انداز میں مخاطب ہوتے ہیں۔ ایسا جب ہی ممکن ہے کہ انسان دوسروں کو بھی سمجھتا ہو۔ انسانیت کے مقام کو پہچانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ وہ خود بھی ابن آدم ہے اور دیگر لوگ بھی خدا کے بندے ہیں اور خدا کے سب بندے لائق عزت ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مشن کی ترقی کے دوران آپ کو جنگیں بھی پیش آتی ہیں۔ جنگ جو فطری طور سے ظالمانہ ہوتی ہے لیکن ان حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم و کرم، جود و سخا اور عفو درگذر کے عالی شان منبری پر تشریف فرما دیکھتے ہیں۔

اللہ کے آخری نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد اپنے مالک پر اتنا محکم ہے کہ وہ حالت جنگ میں موت و حیات کی کشمکش میں بے مثال طریقے سے ثابت قدم رہتے ہیں۔ دشمن کا زور بڑھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہی الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ ''میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں اور میں اللہ کا نبی ہوں جو میں کہہ رہا ہوں اس میں دروغ اور شک کا گزر تک نہیں''۔ میدان کارزار کی حقیقت کو زندگی اور موت کی کشمکش کو وہ حق و باطل کی جنگ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے نہ وہ کسی کی موت پر خوش ہوتے ہیں نہ معذرتانہ انداز اختیار کرتے ہیں اور اپنی فتح پر کسی فخر و مسرت کا اظہار نہیں کرتے۔ وہ انسانی ذاتیات سے کہیں بلند ہستی ہیں۔ سچائی کا غلبہ چاہتے ہیں۔ کیا سچائی موت و حیات سے بالاتر نہیں ہوتی۔ جس نے حق کی خاطر جان دی اس کا انعام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خالق کے پاس اور جس نے باطل تلوار اٹھائی اس کا معاملہ بھی اسی خالق کے پاس!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول صاف، سیدھا، دوٹوک ہر الجھاؤ سے پاک غزوہ تبوک کا موقع آتا ہے تو کچھ لوگ اس میں شرکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے گرمی بہت ہے تو کوئی پکی ہوئی کھیتوں کا بہانہ پیش کرتا ہے۔ ذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استدلال ملاحظہ ہو تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم فصلوں اور کھیتوں کی بات کرتے ہو یہ تو سب دو چار دن کی بات ہے۔ اس کھیتی کے بارے میں سوچو جو لازوال، لافانی اور ابدی ہے۔ سخت گرمی؟ ہاں! سخت گرمی ہے لیکن جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ کافروں سے خطاب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت متناسب طنز کا استعمال بھی کر لیتے ہیں۔ اس بڑے دن کو یاد رکھو جب تمہیں اپنے کئے کا پورا پورا پھل مل کر رہے گا۔ دیکھو گے کہ تمہیں بدلہ پورا پورا ملے گا۔ اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پڑتی ہے حقیقت کے پاتال تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ قرآن میں اس طرح بیان ہوتی ہے کہ ایک ایک لفظ کئی جملوں کو بیان کر دیتا ہے بلکہ ان پر بھاری رہتا ہے۔ آپ کی نصیحت میں کوئی دورخی نہیں۔ وقت سب کچھ ہے اسی وقت سے اے بنی نوع انسان! تم اپنی دنیا سنوارو پھر اسی وقت سے تمہاری آخرت خود بخود سنور جائے گی۔ وقت کا ایسا استعمال جو سب مخلوق کے لئے باعث راحت ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے لوگ خیالات وافکار تھیوری اور اندازے اور اپنے اپنے طرز کی تلاش، جستجو اور تحقیق کے راستوں میں گرتے پڑتے زندگی کا سفر پورا کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بہت ہی دردناک گناہ ہے۔ شاید تمام قابل تصور گناہوں کی جڑ یہی ہے کہ ہم جھوٹ کے ساتھ باطل کے ساتھ تجربے کرنے میں اپنی زندگی صرف کر دیں۔ تجربے کرنے ہیں تو جی بھر کے تجربے کرو۔ دنیا کی ہر تھیوری کو آزماؤ۔ ٹیسٹ کرو۔ اسے پرکھو۔ قرآن کی سچائی کو ٹیسٹ کرنے بیٹھو گے تو چھوٹے ہو جاؤ گے۔ پہاڑوں سے اونچے بادلوں کے پار آسمانوں سے بلند سچائی خالق کائنات کا کلام۔ اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھو گے تو خود کو کیڑے مکوڑے محسوس کرو گے۔ کیا تم اس سے بڑی توہین اپنے لئے گوارا کر سکتے ہو؟ کیا اس سے بڑا گناہ تصور کر سکتے ہو کہ دھرتی کے سینے پر دو پاؤں پر کھڑے ہونے کے بجائے افلاک کے پیغام کو ٹھکرا کر مٹی میں حشرات الارض کی طرح رینگنے لگو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقد، آپ کے دشمن، آپ کی ذات پاک میں عیب تلاش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ مجھے تو ہنسی آتی ہے کہ ان ناقدین کی بڑی سے بڑی خوبیاں بھی آپ کے نام نہاد عیوب کے سامنے کالی سیاہ نظر آتی ہیں۔ وہ لائق احترام حسن کردار میں تراشا ہوا شخص اپنی ۶۳ سالہ ہجری زندگی میں، جی ہاں! پوری زندگی میں کسی سے سخت بات کہتا ہی نہیں اور کسی پر ہاتھ اٹھاتا تک نہیں۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ زبردست قوتوں کا مالک ہے۔ ہر روز ہر لمحہ آپ کی مقدس شخصیت سے نیکیوں، خوبیوں اور پاکبازیوں کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ شاید اس لئے کہ آپ دل پاک رکھتے ہیں اور عدل وتوازن آپ کا مزاج مبارک ہے۔

مسیحیت کی مشہور تعلیم کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال پیش کر دو ایک اور طمانچے کے لئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کو ایسی ناممکن تعلیمات نہیں ملیں گی۔ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ تم بدلہ لے سکتے ہو لیکن مساوی اور عدل کے دائرے کے اندر۔ پھر بھی معاف کر دو تو یہ تمہاری عظمت ہے۔ دیکھا آپ نے! قدرت کے باوجود درگزر۔ یہ ہے وہ بلندی

جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام آپ کو لے جانا چاہتا ہے۔

بنی نوع انسان کی مساوات کا اتنا بڑا ایڈوکیٹ نہ دنیا نے دیکھا اور نہ سوچا۔ ایک مومن کی زندگی کے آگے دنیا کی سب بادشاہیں نثار! آپ زکوٰۃ وخیرات کی صرف تلقین ہی نہیں کرتے اس مشکل ترین نظام کو نافذ کر کے دکھا دیتے ہیں۔ کس کمال کا انقلاب پیدا کیا دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے! کہ ہر مسلمان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اگر اس نے اپنی کمائی سے ضرورت مندوں کو عطا نہ کیا تو ان کا نقصان نہیں اس مسلمان کا اپنا گھاٹا ہے، جو مال وہ دیتا ہے قرآن کے تحت دراصل وہ اس کا ہے ہی نہیں۔ وہ تو غریب اور ضرورت مند کا حق ہے، اس کا مال ہے۔ کیا یہ انسانیت کے دلوں کی آواز نہیں ہے؟

یہ بات جو عیسائی محققین کہتے رہتے ہیں کہ اسلام کی جنت اور جہنم بس جسمانیت ہی جسمانیت ہے سراسر غلط ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے مؤرخین اور محدثین نے جنت وجہنم کے جو جسمانی نقشے کھینچے ہیں اس نقشہ گری کے جرم کے یہ لوگ ذمہ دار ہیں نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن کریم میں بہشت کی آسائشوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ روحانیت پر مبنی ہے نہ کہ لفظی معنوں پر۔ وہاں کی بہشت کی خوشیاں روحانی ہیں، مثلاً وہاں نہ خوف ہوگا نہ غم اور خالق کائنات کی موجودگی دیگر تمام آسائشوں پر چھا جائے گی۔

فرماتے ہیں دیکھو! جنت میں بھی تم ایک دوسرے کو سلام کہو گے۔ امن وسکون راحت ومحبت کا تحفہ لو گے۔ مسندیں بچھی ہوں گی جن پر تم آمنے سامنے بیٹھے ہو گے تمہارے دلوں سے تمام رنجشیں اور کینے مٹا دیئے جائیں گے۔ تمہاری باہم محبت بذات خود ایک بہشت ہوگی۔ کیا خوشگوار چیزوں سے لطف اٹھانا برائی ہے؟ جی نہیں! برائی ہے اپنی اخلاقیات کو آسائشوں کا غلام بنالینا۔ اگر جنت اور جہنم میں آپ کو جسمانی جزا اور سزا کے ارشادات ملتے ہیں تو کیا وہ انسانی فطرت کے عین مطابق نہیں ہیں؟

خالق کائنات کو انسانوں کو سمجھانے کے لئے انسانوں کی زبان میں اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہی پیغام دینا تھا۔

انصاف کا دن، یوم قیامت ''یوم الدین'' کون سا دل ہے جس میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی آرزو کروٹیں نہ لیتی ہو۔ ۱۹ویں صدی کے وسط میں برطانیہ کا ایک عام آدمی ۶۰ برس کی زندگی پالینے کی امید کر سکتا ہے جب یہ ساٹھ برس گزر جاتے ہیں تو کیا وہ زندگی ایک دو دن کی محسوس نہیں ہوتی۔ مایوسی اور ناامیدی کی اس صورتحال میں محسن انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہمیں حیات جاوداں کا مژدہ سناتا ہے۔ یہ حسین ترین سچائیوں میں سے ایک سچائی ہے۔ دل سے لگا لینے کے لائق۔ سوال اٹھتا ہے کہ بندے کا انجام کیسا ہے؟ اللہ کا آخری پیغمبر فلسفیوں کی طرح فائدے اور گھاٹے اچھائی اور برائی نیکی اور بدی کے کھاتے کھول کر نہیں بیٹھ جاتا۔ وہ سیدھی سی بات سکھاتا ہے۔ پھر اگر تمہاری بھلائیوں کا وزن میزان خداوندی پر زیادہ نکل آیا تو تم پاس ہو گئے۔ فوز وفلاح پا گئے حیات بعد حیات میں آگے بڑھنے کے لائق ہو گئے۔ اب تمہیں نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی ڈر نہ غم۔

اے یورپی دانشورو! اگر تم اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتے ہو کہ اسلام مسیحیت سے نکلا ہے تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ اس طرح نکلا ہے جیسے رات کی تاریکیوں سے سورج نکلتا ہے۔

سامعین! فطرت کو ہم اگر ماں تصور کر لیں تو مجھے کہنے دیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مادر فطرت کے چہیتے اور معزز ترین فرزند ہیں۔ ان کی نگاہوں سے ایک لمحے کے لئے بھی یہ بات

اوجھل نہیں ہوتی کہ وہ آمنہ اور عبداللہ کے بیٹے بھی ہیں اور اللہ کے عالی مقام پیغمبر بھی۔ حق بات کہنے میں پاک اور مزاجاً نرم رو اور شرمیلے۔ آپ جو دیکھتے ہیں، جو فرماتے ہیں۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل و دماغ دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آپ کے بے مثال کلام کی تاثیر کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔ یقین اور ایقان! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین اور ایقان! جس پر انکے خدا نے قرآن کریم میں بار بار مہر تصدیق ثبت کی۔ ''ایسا ہوگا بالضرور ہوگا۔ یہ بات سچ ہے یقیناً اور وہ باطل ہے یقیناً''۔

سامعین! ایک اور بات ہے جو مجھے اس مقدس ہستی کے بارے میں حیرت زدہ کرتی ہے۔ دنیا کی تہذیبوں سے کٹے ہوئے ایک صحرائی شہر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہیں علم کی کوئی شمع مکہ میں منور نہیں ہے۔ یونان، روما، فارس، ہند کے قدیم حکماء کے درس صحرا کے اس فرزند ﷺ کے قریب سے نہیں گزرتے۔ نہ معلم ہیں نہ مدرسے نہ کتابیں اور پھر عالم انسانیت کا عظیم ترین رہبر بننے والا شخص پڑھنا بھی نہیں جانتا لیکن آپ ان کی پیغمبرانہ زندگی دیکھئے یا طفلی اور شباب کا مطالعہ کیجئے۔ کہیں آپ کو اشارہ تک نہیں ملے گا کہ آپ کچھ سیکھ رہے ہیں۔ نبوت کے ۲۳ برس ہی نہیں اس ہستی مکرم کی ۶۳ سالہ ہجری ساری کی ساری آنکھیں کھول کر بلکہ آنکھیں کھول کھول کر دیکھئے۔ زندگی مبارک کے کسی مرحلے میں کسی ایک دن یا ایک لمحے میں آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار، حکمت، برتاؤ اور اخلاق میں کجی تلاش نہیں کرسکیں گے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں ایسا کوئی اور فرد بھی دنیا میں گزرا ہے؟ ٹھیک ہے اسے کسی نے نہیں سکھایا۔ وہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عالم انسانیت کو سکھانے والا تھا۔ اسے کون سکھاتا۔ جب میں اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اس عظیم ٹیچر کو تمام کی تمام حکمتیں خود بخود کیسے حاصل ہوگئیں تو میرے دل سے صدا اٹھتی ہے، میرے ضمیر کی آواز پکار پکار کر کہتی ہے، نہیں نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا۔ خود بخود کوئی یہ سب کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ عبداللہ کے فرزند کے معاملے میں نہ انسان ٹیچر ہے نہ ماحول نہ کتابیں۔ پھر کون ہے آپ کا ٹیچر؟ دل تھام کر سوچئے۔ خدا کے سوا کوئی اور ہوسکتا ہے؟

جوہن گوئٹے نے اپنی کتاب میسٹرز ٹریولز "Meister's Travels" میں کتنی اعلیٰ تمثیل پیش کی ہے، کہانی کا ہیرو ایک ایسی ہستی میں آرہتا ہے جہاں لوگوں کے عجیب عجیب اور مختلف طریقے ہیں۔ افراتفری کے اس ماحول کو سدھارنے کے لئے کتاب کا ہیرو ایک انوکھا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج سے ہر شخص اپنی صرف ایک خواہش کو ترک کردے۔ فقط ایک خواہش کو ترک کردے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ آناً فاناً بستی کا مزاج ہی بدل جاتا ہے۔ یکا یک ہزاروں خواہشیں ترک ہوگئیں تو آپ کے جھگڑے مٹ کر رہ گئے۔ وہی بستی جاہاں ہنگامہ اور بے سکونی تھی ایک دن میں پرامن ہوگئی۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا کی عظیم ترین ہستی نے اپنا بھرپور انقلاب بغیر خواہشات کو ترک کئے مکمل کر دکھایا۔ جی ہاں! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مادیت سے ہرگز انکار نہیں۔ آپ جو تعلیم پیش کرتے ہیں اس میں دنیا اور آخرت کی تمام خوشگواریاں شامل ہیں۔ رنگ، خوشبو، خوشحالی، بہتی ہوئی شفاف نہریں، قدرت کی اور انسان کی تمام حسن کاریاں، سہانے موسم لذیذ غذائیں، اچھے اچھے گھر، صفائی، ستھرائی، پاک فطرت، حسین ساتھی، سجتے ہوئے لباس، امن وسکون، سلام ہی سلام، نہ کوئی خوف نہ کوئی غم۔ یاد رکھئے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں نعمتیں اور خوشگواریاں صرف

آخرت کا وعدہ فردا نہیں، ان کا تجویز کردہ نظام اپنا لیجئے اور سیارۂ ارضی کو بہشت بریں بنا لیجئے۔ غور کر لیجئے کیا بنیادی ضروریات کے بغیر انسان دنیا میں آیا تھا؟ کیا ان ضروریات کے پورا ہوئے بغیر وہ جی سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام مادی چیزوں کا انکار نہیں۔ وہ جنت کی تعمیر کیلئے آسائشوں کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ انجیل کی طرح اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ ''مال دار کا جنت میں داخلہ اس سے مشکل ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے''۔ تو کیا اسلام مال و دولت، خزانے اور مادی چیزیں سمیٹ لینے کی تلقین کرتا ہے نہیں نہیں! ہرگز نہیں۔ وہ تو صرف مادہ پرستانہ ذہنیت "Materialistic Mentality" کو ٹھکراتا ہے۔ حرص جس کی ناک میں نکیل ڈال کر یہاں وہاں گھمائے پھرتی ہے۔ وہ ذہنیت جس میں صرف میں اور میرا رہ جاتا ہے تو اور تیرا، وہ اور اس کا کچھ نہیں ہونا۔

جنت اور جہنم کو جس خوبی سے قرآن بیان کرتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہشت کے چشمے، نہریں، سبزہ، اچھے ساتھی، عربوں کا خواب تھے اور سخت گرمی میں جھلسنے والے عربوں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ ہی جہنم کا تصور پیش کر سکتی تھی۔ میں برطانیہ میں اپنے ہم وطنوں سے پوچھ رہا ہوں۔ آپ میں کون ہے جسے بہتی ہوئی نہریں، شفاف پانی کے ابلتے ہوئے چشمے، سبزہ زار اور پیارے ساتھی اچھے نہیں لگتے اور وہ کون ہو سکتا ہے جسے بھڑکتی ہوئی آگ میں گرنے کا شوق ہو؟

پھر کمال یہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و دوزخ کا تصور انسانوں کی ذہنی سطح پر چھوڑ دیا۔ فرما دیا انہوں نے کہ بہشت ایسی جگہ ہے جو درحقیقت نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی دل میں اس کی حقیقت کا خیال تک گزرا۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا صاف کہتا ہے ''جنت جہنم کیا ہے؟ تمہارے اعمال جو میں تمہیں لوٹا کر دے رہا ہوں''۔

بتایئے! آخرت کا اس سے بہتر تصور آپ کو کہیں اور مل سکتا ہے؟ پھر میزان پر بھی توجہ فرمالیجئے۔ عذاب اور ثواب یہاں وہاں بٹ نہیں رہا ہے۔ یہاں تو اعمال کا وزن ہو رہا ہے۔ میزان کے دو پلڑے ہیں۔ استعارہ سمجھ لیجئے۔ تمہاری زندگی میں اگر انسانی فلاح کے کام بھاری رہے تو گویا دایاں پلڑا جھک گیا یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں خیر ہے اور نتیجہ دیکھئے کتنا قابل رشک ہے! ہمیشہ کی زندگی۔ حیات جاوید! اور وہ بدقسمت جس کا بایاں پلڑا جھک گیا کون ہوگا وہ؟ جس نے اپنے گھرانے اور معاشرے کے حقوق مارے ہوں گے۔ ذہن اچانک اڑ کر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ کی موت مرجائے گا لیکن قرآن کہتا ہے کہ جس نے انسانوں کا حق ادا نہ کیا، وہ دوسری زندگی میں مریں گے نہیں لیکن جییں گے بھی نہیں۔ زندگی اور موت کے بیچ میں کوئی شخص لٹکا ہو وہی اس کیفیت کو سمجھ سکے گا۔ ہم صرف اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کیسی دہشت ناک کیفیت ہو سکتی ہے! پرہول، رنجور، دردانگیز!

سامعین! کمال یہ ہے کہ شاہ مدینہ انسانوں کو اس خوبی سے اپنے اللہ کا پیغام دیتے ہیں کہ انہیں جنت اور جہنم اپنے قریب، بہت قریب محسوس ہونے لگتی ہے۔ آپ فرما دیتے ہیں لوگو؟ جنت اور جہنم تو جوتے کے تسمے سے زیادہ تمہارے نزدیک ہے۔ مجھے تو وجد آجاتا ہے۔ اس طرز تخاطب پر۔ صاحب ایمان شخص صرف آخرت کے خوف و امید میں نہیں جیتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیت یافتہ شخص غلط کام کرتے ہوئے خود کو جہنم کے قریب محسوس کرنے لگتا ہے اور جب وہ نیکی کا ارادہ ہی کر لیتا ہے تو اسے بہشت کی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی خوشبو دار ہوائیں

چلتی آتی گاتی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

سامعین! محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہستی جن کے شایان شان احترام کے لئے دنیا کی کسی زبان میں الفاظ مل ہی نہیں سکتے۔ ان کی خود اعتمادی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ پہلے ہیں اور پہلے چلے جارہے ہیں لوگوں پر ہیبت کلام کو سن کر موم کی طرح پگھل جاتے ہو حالانکہ تم پتھر کی طرح سخت بننے کی کوشش کرتے ہو۔ تم اسے چھپ چھپ کر سنتے ہو، ڈرتے بھی ہو کسی کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔ تم اس کلام کی شوکت دیکھ کر اتنے حیران ہوتے ہو کہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کلام عربی ہے کیا؟ کبھی کہتے ہو یہ شاعری ہے۔ پھر بول اٹھتے ہو نہیں نہیں! شاعری اتنی پر حکمت نہیں ہوسکتی۔ پھر نیا خیال لاتے ہو۔ یہ تو جادو ہے۔ تم میں کا کوئی دانش مند چیخ اٹھتا ہے کہ ہم اس کلام عربی کو آسمانی سمجھ تو لیں لیکن کیا کریں؟

کہاں جائیں! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو ہماری طرح کا آدمی ہے۔ کھاتا پیتا بھی ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔ میرے متعصب ہم وطنو! میں یقین سے کہتا ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو محض اس نازل ہونے والے کلام کے برتے پر دعویٰ کر بیٹھتا۔ میں تو فرشتہ ہوں، اوتار ہوں، دیوتا ہوں، لیکن آپ جواباً یہ ہی فرماتے ہیں ہاں! میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ بات بس اتنی ہے۔

میں کہتا ہوں بات اتنی ہی نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ بہترین شہری، بندہ دل نواز، اعلیٰ درجے کا لیڈر، صاحب فکر، اول درجے کا خطیب، صاحب کردار، زبردست کمانڈر، بہترین ساتھی، عظیم فرزند، بے مثال بیٹا اور باپ، صف اول کا قانون ساز، دلوں کا فاتح، دماغوں کا حکمراں، پھر بھی خود کو صرف بشر کہتا ہے اور لوگو! پھر یہاں ٹھہر نہیں جاتا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تم تدبیر کرو سوچو، غور کرو۔ وہ معجزے دکھا کر لوگوں کے ذہنوں کو ماؤف نہیں کر دیتا۔ ان کی عقلوں کو معطل نہیں کر دیتا۔ وہ فرماتا ہے تم اکیلے اکیلے اور کبھی مل جل کر میرے پیغام پر غور کرو چاہو تو میری ذات پر الزامات لے سکتے ہیں۔ ایسی مثال کہیں سے ڈھونڈ کر؟ کتنی دلچسپ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کو جھوٹا یا برا کہہ ہی نہیں سکتے۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو اپنانا نہیں چاہتے۔ انانیت "EGO" خود پرستی کی جو مثال ابوجہل پیش کر گیا وہ بھی اس باب میں حرف آخر ہے۔ اتنا ٹھوس اقرار! اس پر انکار اتنا کمزور! جیسے حجر اسود پر مکڑی نے جالا بن دیا ہو۔ جیسے دوپہر کے سورج کے نیچے سفید بادل کی کوئی ٹکڑی گذر رہی ہو۔ اللہ اکبر!

اب ذرا فکر کا ایک قدم اور آگے بڑھائیے۔ کیا دنیا میں کبھی، کیا تاریخ میں کسی انسان نے اپنے دشمنوں سے یہ کہا ہے تم سب مل جل کر مجھ پر نازل ہونے والے کلام جیسی ایک سورہ بنالاؤ۔ اپنے حمایتوں کو بھی ساتھ لے آؤ۔

سرداروں، جغادریوں، فرعونوں اور طرم خانوں کے دلوں میں بھونچال پیدا کرنے والا اعلان! میں اپنے اللہ کا ایک بندہ صحیح جیسے تم سب اس کے بندے ہو۔ قرآن میری کتاب نہ سہی کہ اس میں تمہارا ہی تذکرہ اور اس کا مصنف خداوند عالم ہے۔ میں بھی تمہاری طرح ایک جسم رکھتا ہوں، سوتا ہوں، جاگتا ہوں، کھاتا ہوں، پیتا ہوں، بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں۔ اگر تم میرے مقدس پیغام سے انکار کرتے ہو، اپنی دشمنیوں میں بڑھتے چلے جاتے ہو تو ایسا کرو کہ سب آپس میں مل کر میرے خلاف کوئی تدبیر کرلو اور ہاں یاد رکھو مجھے ذرا سی مہلت بھی نہ دینا۔

یھر کون سی تدبیر ہے جو آپ کے دشمن اٹھا رکھتے ہیں اور کون سی شکست اور کون سی ہزیمت ہے جو ان ظالموں کو اٹھانی نہیں پڑتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عیسائیت سے نکلا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہودیت، مسیحیت اور اسلام سب ایک ہی خدا کے بھیجے ہوئے پیغامات ہیں۔ اسلام البتہ آخری اور کامل دین ہے۔ روحانیت اپنی معراج پر۔ یہاں جنت بخشش کے طور پر عطا نہیں ہوتی۔ ایمان اور بہتر اعمال کے نتیجہ میں ملتی ہے جس سے انسانیت کی بلکہ مخلوق کی بھلائی کا سامان ہوتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ تلاش نہ کیجئے لیکن اگر آپ اپنے شوق اور جستجو کے خاطر اسلام میں جھوٹ ڈھونڈنے پر بضد ہیں تو سمجھ لیجئے کہ جو چیزیں آپ کی عقل اور دل میں کھٹک جاتی ہیں وہ رسول عربی کے ڈیڑھ دو سو تین سو برس کے بعد آنے والے مذہبی پیشواؤں کے کارنامے ہیں۔ جھوٹے وہ ہیں، احسان فراموش، خوف خدا سے عاری، اپنی ذات میں بند انسانیت کے دشمن۔ یہ بعد والے لوگ ہیں ان کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ عالم کی عظیم ترین ہستی اور اس کے مقدس پیغام کے گرد اپنے چھوٹے چھوٹے دماغوں کی گھٹن پیدا کردی۔ دیکھنا ہو تو اسلام کی سچائی اور حسن کاریوں کو دیکھئے۔ مسلمان عموماً آپ کو اپنے دین سے اتنی زیادہ محبت کرتے نظر آئیں گے جو مسیحیوں کو نصیب نہیں۔ آج ۱۸۴۰ء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۲۰۰ برس بعد بھی قاہرہ کی اندھیری رات میں جب چوکیدار پکارتا ہے۔ ''کون ہے'' تو مسافر یہ نہیں کہتا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں جواباً وہ کہتا ہے'' لا الٰہ الا اللّٰہ '' اور فوراً چوکیدار کی تسلی ہو جاتی ہے۔ اسلام کی ایک خوبصورتی یہ بھی ہے کہ وہ جہاں جہاں جاتا ہے صرف برائی کو مٹاتا ہے۔ خوبی کو تر و تازہ اور شگفتہ رہنے دیتا ہے جیسے آپ گلاب کو سونگھتے ہیں تو آپ کا جی چاہتا ہے کہ اس کی ڈنٹھل اور ٹہنی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس کی پنکھڑیاں سلامت رہیں۔

عربوں کو اسلام نے اندھیروں سے نکالا اور انہیں روشنی کی طرف لے گیا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ عربوں کو پہلی بار اسلام نے زندگی عطا کی جب سے دنیا بنی تھی یہ غریب عرب چرواہے صحراؤں میں تہذیب کی نگاہوں سے اوجھل بھیڑ بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ پھر ان ہی لوگوں میں انسانیت کا عظیم ہیرو پیغمبر نازل ہوتا ہے۔ دنیا کے نظر انداز کئے ہوئے یہ گڈریئے اور چرواہے دنیا پر چھا جاتے ہیں۔ تاج و تخت اور خزانے ان کی ٹھوکر میں ایک صدی نہیں گزرتی کہ اسی عرب کے ایک ہاتھ میں غرناطہ ہے اور دوسرے ہاتھ میں دہلی، ان فتوحات کے ساتھ صرف شجاعت ہی نہیں علم، عدل و کردار کی روشنی بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ عرب نہ صرف خود چمک رہا ہے بلکہ اس نے ایک دنیا کو جگمگا دیا ہے۔ نظام محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایمان ایسی قوتیں اور برکتیں لے کر آتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے ایمان لانے والے افراد، اور قوموں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور عربوں کی مثال ایسی نہیں کہ چمکتی ہوئی ایک چنگاری خشک ریت پر گر کر ٹھنڈی ہوگئی ہو۔ یہ مثال تو ایسی ہے کہ ایک مقدس شرارہ بجلی بن کر بارود کے ڈھیر میں آ گرا ہو اور پھر بارود کے اس ڈھیر سے ایسی آتش فروزاں ہوئی ہو جو دہلی سے غرناطہ تک زمین کو اور زمین سے آسمان تک فضا کو نورانی کر گیا ہمیشہ کے لئے۔ میرا عظیم ہیرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ! آسمانی بہشت کی بجلی کا شرارہ دنیا کے لوگ جس کے انتظار میں تھے تاکہ وہ روشنی پائیں اور پھر قیامت تک دیئے سے دیا جلتا چلا جائے۔

❁ ❁ ❁

کوائف جامعہ (رپورٹ)

مسابقۃ القرآن الکریم وتعلیمی بیداری کنونشن

..... ● ابوحمنہ شہاب

قوم کے نونہالوں کو ابتدا سے ہی کتاب مقدس سے دلچسپی اور قرآن کریم کے حفظ، تجوید اور تفسیر کی جانب توجہ مبذول کرانے کے مقصد سے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول اور جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹرا کے زیر اہتمام ۲/۱/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۴/۲۵ فروری ۲۰۱۲ کو آل بہار ساتویں مسابقۃ القران الکریم کا انعقاد کیا گیا جس میں ۳۲۳/مدارس دینیہ کے ۴۵۰/طلبہ نے حصہ لیا، اور ماہرین فن کے سامنے اپنی کارکردگی کا شاندار مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان 'تعلیمی بیداری کنونشن' کا بھی انعقاد کیا گیا جس کی صدارت خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم نے فرمائی۔ کنونشن کے اہم شرکاء میں حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نواسۂ شیخ الحدیث شیخ زکریا کاندھلویؒ اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ پروفیسر اختر الواسع، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ناظم دینیات ڈاکٹر مفتی زاہد علی خان، امارت شرعیہ کے ناظم حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی تھے ان شخصیات سمیت لاکھوں کی تعداد میں فرزندان توحید شریک ہوئے، اس مبارک موقع پر عارف باللہ حضرت علامہ قاری سید محمد صدیق باندویؒ بانی جامعہ عربیہ ہتھوڑا بانده کی نسبت پر ایک عظیم الشان مرکز 'ایوان صدیق' کا سنگ بنیاد خادم القران حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوں کے دست مبارک سے رکھا گیا۔

تعلیمی بیداری کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سے بلند ہونے والی آواز شمالی بہار ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان اور دنیا میں گونجے گی۔ علم کی روشنی عام کرنا اور اسے پھیلانا ہم سب کی ذمہ داری ہے کیوں کہ تعلیم کے ذریعہ ہی مسلمان سرخرو ہوسکتے ہیں۔ مقررین نے اپنے جوقومیں تعلیم سے دور ہوجاتی ہیں اس کا وجود مٹ جاتا ہے اور وہ فنا ہوجاتی ہیں۔ جامعہ کے مہتمم اور جید عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی قیادت میں منعقد ہونے والے اس کنونشن میں ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علماء، اصحاب فکر ونظر اور دانشوروں نے شرکت کی۔ کنونش میں مسابقۃ القرآن کریم میں کامیاب ہونے والے طلباء کو خادم القران مولانا غلام محمد وستانوی کے ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا۔ اس مبارک موقع پر جامعۃ القاسم کے ترجمان ماہنامہ معارف قاسم جدید نئی دہلی کے خصوصی شمارہ ''قرآن کریم'' کا اجراء عمل میں آیا۔ اپنے صدارتی خطاب میں مولانا غلام محمد وستانوی نے علوم قرآن کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مسابقۃ القرآن کا مقصد مسلمانوں میں قرآن کی تعلیم کے سلسلہ دلچسپی اور بیداری لانا ہے۔ الحمدللہ ہم لوگوں کی کوشش کامیاب رہی اور اس کا فائدہ نظر آیا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں نے قرآن کی تعلیم وتبلیغ سے منھ موڑ لیا ہے اس لیے ہر طرف وہ مصیبتوں کا سامنا کررہے ہیں۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم اسلامیہ کے مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے پورنیہ کمشنری کی تاریخ کے حوالہ سے کہا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کی اکثریت والا علاقہ ہے، مگر

یہاں کے مسلمان ہر اعتبار سے کافی پسماندہ ہیں، یہاں تعلیم کا رجحان بے حد کم ہے، ہم نے گزشتہ دو دہائی قبل اس ادارہ کی شکل میں علم کی شمع جلائی تھی، الحمدللہ اکابرین امت اور مخلص ساتھیوں کے تعاون سے یہ ادارہ اس شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ انہوں نے ابھی کام بہت ہی باقی ہے بس آپ حضرات کا تعاون اور دعائیں شامل رہیں تو اس کا فیض دور دور تک پھیلتا رہے گا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ پروفیسر اختر الواسع نے علم کی اہمیت سے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کریم میں تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت اللہ نے فرشتہ کو آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے کا حکم صرف اس لیے دیا کہ آدم علیہ السلام کو دنیا کے اشیاء کا علم تھا جو فرشتوں کو نہیں تھا، اس لئے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کا سجدہ کیا۔ قرآن پاک کے اس پیغام سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو علم سے محروم ہیں انہیں عالموں کے سامنے بہر صورت جھکنا پڑے گا۔ انہوں نے علم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ایک زمانے میں مسلمان ہر علم وفن کے امام تھے مگر افسوس کہ اب یہ قوم دنیا کی سب سے پسماندہ قوم بن گئی۔ پروفیسر اختر الواسع نے لڑکیوں کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جس قوم میں مائیں تعلیم یافتہ نہیں ہوتی ہے اس قوم کا مقدر زوال ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمان عورتیں تعلیم میں بے حد پسماندہ ہیں، اس کی جانب توجہ دینا بے حد ضروری ہے۔ حکمت مومن کی گمشدہ پونجی ہے وہ جہاں ملے حاصل کریں۔ انسانی تاریخ میں یہ اعجاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی جس میں تمام طلباء مسلمان تھے، مگر اساتذہ سب کے سب صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ اسلام دشمن تھے۔ اختر الواسع نے بانی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے نہایت پسماندہ علاقہ میں علم کی شمع جلا کر مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔ عظیم دینی درسگاہ مظاہر علوم کے امین عام مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نے کہا کہ جس انسان کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں تفقہ فی الدین سے نوازتے ہیں۔ انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ علم کی تقسیم غیر مناسب ہے۔ کیوں کہ علم جدید وقدیم کی تفریق نہیں ہے اس لیے اسلام میں علم درمیان جو تمیز اور فرق کیا گیا ہے کہ وہ محض نافع اور غیر نافع کے مابین ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ناظم دینیات ڈاکٹر مفتی زاہد علی خان نے قرآن پاک کی عظمت کے حوالہ سے کہا کہ کتاب اللہ کے مطالبے کو سمجھ لیں تو ہماری زندگی میں انقلاب آجائیگا۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کو پڑھایا تو جاتا ہے مگر قرآن کے معانی ومفاہم اور مقاصد کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے اس کی وجہ سے قرآن کی افادیت سے مسلمان اس قدر مستفید نہیں ہو پا رہے ہیں جس قدر ہونا چاہیے۔ امارت شرعیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے خواتین کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم سب کو مل کر ایسی کوشش کرنی چاہے کہ گھروں میں قرآن سیکھنے کا نظم قائم ہو جائے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کی تعلیم کی طرف جس طرح توجہ دینی چاہیے نہیں دی جارہی ہے۔ اس موقع پر اجلاس سے خطاب کرنے والوں میں مولانا مفتی عبد الرحیم فلاحی، مولانا مفتی ارشد فاروقی، مولانا احمد نصر بنارسی، مولانا صغیر رحمانی، مولانا عبد القادر شمس سینئر صحافی راشٹریہ دہلی اور ملک بھر کے اخبارات کے نمائندے اور صحافی موجود تھے جن میں جمشید عادل علیگ، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب، نور اللہ جاوید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اجلاس کو کامیاب بنانے میں مولانا ارشد عالم ندوی، شاہ جہاں شاد، حافظ ظفر اقبال مدنی، مظہر رحمانی، مظفر

رحمانی، مولانا یوسف انور، مولانا عبدالحمید مظاہری، مولانا علی احمد استاذ جامعہ، قاری شمشیر عالم جامعی اور جامعہ کے اساتذہ وطلبہ نے اہم رول ادا کیا۔

اس سے قبل خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ جو قوم شروع سے ہی علم وقلم کی طاقت وقوت اور عرفان ومعرفت کی معنویت سے پوری طرح واقف تھی، جو ارض وسما، بحر وبر، نباتات وحیوانات کی تخلیق پر تحقیق کی بدولت بلند مقام پر فائز تھی اور دنیائے علم وعرفاں کے میدان میں جس کی امامت تسلیم کی جا چکی تھی آج وہی قوم تعلیم وتعلم سے دور ہے، بصارت وبصیرت سے محروم ہے، جہالت و ناخواندگی اس کی پہچان ہے، غربت وافلاس اس کا مقدر ہے اور جو قومیں عقل وخرد سے عاری اور علم وہنر سے بے بہرہ تھیں وہ تعلیمی میدان میں ہم سے بہت آگے نکل کر ہمیں آئینہ دکھا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک بھر کے مسلمانوں کی یکساں حالت ہے مگر بہار اور بطور خاص شمالی بہار کی حالت زیادہ تعلیمی پسماندگی کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ اس خطہ کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کنونشن اور مسابقۃ القران کریم کا انعقاد کیا گیا۔

انہوں نے کہا کہ اس وقت دشمنان اسلام قران مقدس کو ہی نشانہ بنا رہے ہیں ایسے میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر طرح سے اس کے دفاع کیلئے آگے آئیں۔ دشمنوں کے اعتراضات کا نہ صرف تشفی بخش جواب دیں بلکہ انہیں مضبوط دلائل کے ساتھ یہ ذہن نشیں کرائیں کہ دنیا میں امن وامان قائم کرنے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی نسخہ نہیں ہے، اگر دنیا میں بسنے والے انسان قرآن کریم پر عمل کرنے لگیں تو پوری دنیا گلزار ہو جائے گی، ہر طرف امن وآشتی اور بھائی چارے کا بول بالا ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب قران کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے شمالی بہار کی علمی ودینی درس گاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے ارباب حل وعقد، ذمہ داران، اساتذہ اور طلباء کرام کی جانب سے اس عظیم الشان ''**تعلیمی بیداری کنونشن**'' میں آنے والی تمام محترم و معزز شخصیات کا تہہ دل سے استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے تمام مہمانان کرام، حاضرین کے بھی بے حد ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے ہماری دعوت پر یہاں آنے کی زحمت گوارہ کی۔ بطور خاص گرامی قدر خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم بانی ورئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر، شیخ زکریا کے علوم ومعارف کے امین وپاسباں وامین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری، ماہر تعلیم جناب پروفیسر اختر الواسع صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، ڈاکٹر مفتی زاہد علی خان علی گڑھ، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی پٹنہ، اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم فلاحی مہاراشٹر، حضرت مولانا احمد نصر کینٹ بنارس، حضرت مولانا مفتی ارشد فاروقی دیوبند، حضرت مولانا صغیر احمد رحمانی، حضرت مولانا مفتی عقیل احمد قاسمی راندیر گجرات، حضرت مولانا محمد الیاس مظاہری پانولی گجرات، حضرت مولانا نظام الدین قاسمی مہاراشٹر، مفتی راشد خان القاسمی دہلی، مفتی افتخار الحسن بجنور ودیگر علمائے کرام اور شرکائے مسابقۃ القرآن الکریم وتعلیمی بیداری کنونشن کا میں بے حد ممنون ہوں جنہوں نے ہماری دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا۔ میں ان حضرات اکابر علماء کرام، دانشوران عظام اور ماہر سیاست داں کے علاوہ ملت وانسانیت کے زخم پر مرہم رکھنے والے تمام ارباب بصیرت کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو دور دراز علاقوں سے لامحی مسافت طے کر کے اور صعوبتوں کو جھیل کر یہاں آنے کی تکلیف برداشت کی۔ ☆☆☆

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں ساتواں عظیم الشان ''کل ہند مسابقۃ القرآن الکریم''

ایشاء کی معروف اسلامی درس گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر) کے زیر اہتمام ۲۰، ۲۱، ۲۳، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار کو ساتواں سہ روزہ عظیم الشان کل ہند مسابقہ حفظ وقرأت اور تفسیر وحدیث کا انعقاد کیا گیا، جس میں ملک بھر کے ۲۷ ریاستوں سے تقریباً ۲۰۰ مدارس کے ۳۱۳ منتخب طلبہ نے شرکت کی۔ اس موقع پر اول، دوم، اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے سبھی طلبہ کو گراں قدر انعامات سے نوازا گیا، علاوہ ازیں انہیں حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز کرنے کا بھی اعلان کیا گیا۔ مسابقہ میں شریک طلبہ، اساتذہ، مہمانان کرام اور جملہ شرکاء کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے جامعہ کے بانی ومہتمم خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم نے کہا کہ قرآن کریم اپنی ہمہ گیر خصوصیات کی بنیاد پر پوری انسانیت اور دنیا کی ایک دائمی کتاب ہے، جو زندگی اور کائنات سب کے لیے مشعل راہ ہے، قرآن وہ آسمانی دستور جس کی روشنی میں رہ کر انسان اپنے ماحول اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو قابل رشک بنا سکتا ہے۔ حضرت مولانا وستانوی نے کہا کہ قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کی تعلیمات کو عام کرنا ہم سب کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے ذمہ داران مدارس سے اپیل کی کہ وہ ان علمی مسابقوں اور طلبہ کی تربیت پر خاص توجہ دیں۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے تحفیظ القرآن الکریم العالمیہ جدہ کے سربراہ الدکتور شیخ عبداللہ علی بصفر نے اس عظیم الشان مسابقۃ القرآن کریم کے انعقاد پر مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس تحریک سے ہندوستان میں قرآنی تعلیمات کو مزید فروغ ملے گا۔

شیخ داؤد العلوانی جدہ نے عالمی سطح پر ہندوستانی علماء کی گراں قدر خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ میں نے یہاں کے علماء اور اکابر میں جو عاجزی اور انکساری دیکھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے کہا میں جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم میں اپنی آمد کو باعث افتخار سمجھتا ہوں اور یہاں آکر مجھے بے انتہا شادمانی کا احساس ہو رہا ہے۔ بہار کی عظیم دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ قرآن مجید انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے، اللہ نے اس مبارک کتاب میں تمام مشکلات کا حل بتادیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کو اپنی عملی زندگی میں لائیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کے ذریعہ قرآن کریم کی جو خدمت انجام دی جارہی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ باری تعالیٰ ان کے اس دینی مشن کو مزید کامیابی سے ہمکنار کرے۔

اس کل ہند مسابقہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اساتذہ کرام وطلبہ عظام کے علاوہ بطور خاص جامعہ کے استاد مکرم حضرت مولانا عبدالرحیم فلاحی اور حضرت مولانا حذیفہ وستانوی وغیرہ نے کافی اہم رول ادا کیا۔

اس عظیم الشان مسابقۃ القرآن الکریم کی تقریب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ناظم سنی دینیات ڈاکٹر مفتی زاہد علی خان، مولانا صدیق اللہ چودھری صدر جمعیۃ علماء بنگال، قاری عبدالرؤف بلندشہری استاذ دارالعلوم دیوبند وغیرہ نے بھی خطاب فرمایا۔

مولانا امین الدین شجاع الدین کے انتقال پر اظہار تعزیت

پٹنہ/سپول: دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انگریزی کے سینئر استاد، مشہور صحافی و ادیب مولانا امین الدین شجاع الدین کے انتقال پر ملال پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم اور معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم دینی و عصری علوم پر یکساں دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر ہمیشہ باریکی سے نظر رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ملک و بیرون ملک کے معیاری جرائد ورسائل میں حالات کی مناسبت سے ان کے گراں قدر مضامین شائع ہوتے رہے۔مفتی محفوظ الرحمٰن نے کہا کہ مولانا امین الدین نے جس انہماک وجذبہ سے تعلیم حاصل کی اسی جذبہ صادق اور خلوص سے اپنے علم کو اپنے شاگردوں میں منتقل کیا اور نہایت لگن اور خلوص سے تدریسی خدمات انجام دیں۔اسی طرح ان کے سیکڑوں شاگرد ملک اور ملک سے باہر اچھے عہدوں پر فائز ہیں اور اپنے اپنے شعبہ میں مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔مرحوم شعبۂ صحافت و ابلاغ عامہ کے انچارج اور ماہنامہ بانگ درا و ماہنامہ تعمیر حیات کے ایڈیٹر رہے اور اس توسط سے بھی ملی، دینی، سماجی، سیاسی اور ادبی موضوعات پر بیشمار مضامین تحریر کئے۔مفتی عثمانی نے کہا کہ مولانا امین الدین شجاع الدین اردو زبان کے بھی اچھے انشاء پرداز تھے اور زندگی کے آخری لمحات تک مختلف رسالوں وروزناموں میں مضامین لکھتے رہے۔وہ بہت ملنسار، خوش اخلاق اور سادگی پسند انسان تھے،طلبہ واساتذہ کے ساتھ عام لوگوں سے بھی بڑی خوش دلی سے ملتے تھے، وہ نام ونمود سے بالکل عاری تھے،طلبہ کے ساتھ خیر خواہی اور نرم دلی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔مفتی عثمانی نے کہا کہ خالق کائنات ان کے پسماندگان کو صبر وتحمل اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت رکھے (آمین)۔بہ شکریہ روزنامہ انقلاب دہلی

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کی شریک حیات کے انتقال پر اظہار رنج وغم

سپول: جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے معروف عالم دین اور عظیم دانشگاہ مظاہر علوم سہارنپور (جدید) کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عاقل صاحب کی اہلیہ محترمہ وصاحبزادی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے سانحہ ارتحال پر دلی افسوس کا اظہار کیا ہے۔اپنے تعزیتی بیان میں مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اپنے استاذ، مخلص ومربی حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سمیت مرحومہ کے تمام سوگوار لواحقین سے تعزیت و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں صبر کی تلقین کی۔مفتی صاحب نے کہا کہ مرحومہ نہایت متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں۔انہوں نے اپنی زندگی کتاب وسنت کی روشنی میں بسر کی۔اللہ تبارک تعالی مرحومہ کو وجنت الفردوس میں انبیا اور شہداء کے ساتھ جگہ عنایت فرمائے۔(آمین)۔(بہ شکریہ روزنامہ ہندوستان ایکسپریس نئی دہلی)

مولانا اسرار الحق قاسمی کی اہلیہ کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت

نئی دہلی: معروف عالم دین، ممتاز ملی رہنما و رکن پارلیمنٹ مولانا اسرار الحق قاسمی کی اہلیہ محترمہ سلمہ خاتون کے سانحہ ارتحال پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول

کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے دلی رنج وغم کا اظہار کیا۔ اپنے تعزیتی بیان میں انہوں نے مولانا قاسمی سے تعزیت و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا کہ دکھ کی اس گھڑی میں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے طلبہ، اساتذہ اور تمام کارکنان ومخلصین آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالی مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں اعلی مقام عطا فرمائے اور سوگواران سہیل اختر، سعود عالم اور فہد عالم کو یہ صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔مفتی عثمانی نے کہا کہ مرحومہ نہایت متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں۔انہوں نے کہا کہ مرحومہ جن اوصاف سے متصف تھیں اس دور کی خاتون میں یہ صفت تقریبا ناپید ہیں، وہ غریبوں اور ناداروں کی حتی المقدور اعانت فرماتی تھیں اور یہ نیک کام کر کے انہیں حد درجہ خوشی ہوتی تھی۔مفتی عثمانی نے کہا کہ مرحومہ کے حسن عمل کی جھلک ان کی نیک صالح اولاد میں پوری طرح نمایاں ہے۔اللہ تعالی مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور پسماندگان کو صبر وتحمل کی توفیق دے۔اس مناسبت سے جامعۃ القاسم کے بٹلہ ہاؤس دہلی واقع دفتر میں آج ایک تعزیتی نشست کا اہتما کیا گیا جس میں بطور خاص مرحومہ کے بلندی درجات کیلئے ایصال ثواب کیا گیا۔اس موقع پر مولانا محمد یوسف انور، مولانا ارشد عالم ندوی، صحافی و سماجی کارکن شاہجہاں شاد، مظفر عالم، شاہد عبداللہ اور ظفر اقبال مدنی بھی موجود تھے (آمین)

(بشکریہ روزنامہ انقلاب دہلی)

❁ ❁ ❁

❁

روزے کے احکام

بعض روزوں میں تسلسل ضروری ہے جیسے رمضان کے روزے، قتل خطا کے کفارہ کے روزے، کفارۂ ظہار کے روزے، رمضان کے دن میں جماع کرنے کے کفارہ کے روزے۔اسی طرح جس نے مسلسل روزے رکھنے کی نذر مانی ہو، اس پر بھی تسلسل سے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ جبکہ بعض روزوں میں تسلسل کی شرط نہیں ہے جیسے رمضان کے روزوں کی قضا، حج میں قربانی نہ کرنے والے کے دس روزے، قسم توڑنے والے پر کفارہ کے روزے (جمہور علماء کے نزدیک) اور (صحیح قول کے مطابق) احرام کی حالت میں کسی ممنوع چیز کے ارتکاب پر فدیہ کے روزے، اس میں بھی تسلسل ضروری نہیں اور مطلقاً نذر کے روزے جس شخص نے تسلسل کی شرط نہ رکھی ہو۔

نفل روزے، فرض روزوں کی کمی کی تلافی کرتے ہیں جیسے عاشورہ، عرفہ، ایامِ بیض (یعنی ہر قمری ماہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے، پیر اور جمعرات کا روزہ اور شوال کے چھ روزے، محرم اور شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

فرض کے علاوہ صرف جمعہ کو یا صرف ہفتہ کو خصوصاً روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے، سارا زمانہ روزہ رکھنا اور صوم وصال یعنی بغیر افطار کے دو یا اس سے زیادہ دنوں تک روزہ رکھنا بھی ممنوع ہے۔

عیدین اور ایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذوالحجہ کے دن) روزہ رکھنا حرام ہے، یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ منیٰ میں ان دنوں میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ ☆☆☆

تبصرہ



نام کتاب	:	نقوش بسم اللہ
مرتب	:	مفتی عبدالقیوم راجکوٹی
باھتمام	:	قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب
صفحات (اول)	:	632
صفحات (دوم)	:	420
سن اشاعت:	:	۱۴۳۲ھ-2011 ء
ناشر	:	جامعة القرأت مولانا عبدالحئ نگر، کفلیتہ، سورت، گجرات
تبصرہ نگار:		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

گجرات میں علماء کی تاریخ درخشاں وتابندہ رہی ہے، ہر عہد میں اس سرزمین سے وابستہ اہل علم و فضل نے اپنے علم وحکمت، دانائی و تدبر، فہم فراست سے ملک وملت کی خدمت خالص جذبہ صادق کے ساتھ انجام دی، اور قوم کی علم وعمل سے عاری بنجر زمین کو سیراب وآباد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے گجرات کی علمی تاریخ کو سنہری حروف میں بیان کیا ہے۔ بالخصوص یہاں کے علماء کے دینی مزاج اور ستودہ صفات اور ان کے ملی جذبوں اور علمی کارناموں کا نہ صرف تذکرہ کیا ہے بلکہ اس تعلق سے ان کی جدوجہد کو قابل تحسین قرار دیا ہے۔ قابل استعجاب بات یہ ہے کہ اس سرزمین سے ملک وبیرون ملک میں دینی، علمی، دعوتی، ملی واصلاحی خدمات انجام دینے والے علماء محققین، محدثین، مفسرین اور فقیہہ کی روشن، بے نظیر وتابناک زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرنے میں کوتاہی برتی گئی، اس وجہ سے علم وعمل کے ان مجاہدین کی حیات سے ناآشنائی و دوری بڑھتی گئی اور ان کے باقیات غیر محفوظ ہوتے چلے گئے۔

بقول مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ”مجھے علماء گجرات پر تعجب ہے کہ وہ اپنے علاقہ کے علماء کے بارے میں بہت کم علم رکھتے ہیں“۔

اسی طرح معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی (بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول)

نے بھی اپنی تصنیف ''ذکراً قائما'' کے مقدمہ میں اس جانب علماء گجرات کی عدم توجہی کا گلہ کیا، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

''یہ عجیب المیہ ہے کہ اجتماعی شکل میں علماء گجرات کی حیات وخدمات پر باضابطہ کوئی کتاب نہیں ملتی، ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کے ذکر سے کتابیں یا کتب خانے خالی پڑے ہوں اور اہل علم ان سے ناواقف ہوں مگر سچائی یہ ہے کہ ان کے شایان شان توجہ کم دی گئی، یہی وجہ ہے کہ علماء گجرات پر نظر ڈالنے کیلئے وقت درکار ہے، مختلف کتابوں، رسالوں میں ان کے تذکرے اور کارنامہ بکھرے پڑے ہیں مگر انہیں یکجا نہیں کیا جاسکا ہے، حالیہ چند سالوں سے علماء کرام نے اس طرف توجہ ضرور مبذول کی ہے جس کی وجہ سے ایک حد تک یہ کمی دور ہوتی نظر آرہی ہے، تاہم منزل ابھی دور ہے''۔

راقم الحروف کے خیال سے نہ منزل دور ہے اور نہ ہی ابھی وقت گیا ہے، بلکہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے اور اس کام کیلئے مشیت نے جو وقت مقرر کیا ہے اس پر ''دیر آید درست آید''، کے مصداق اپنے شایان شان کام ہو رہا ہے۔ نقوش بسم اللہ کو گجرات کے علما کرام، مفتیان عظام اور محققین کی مساعی جمیلہ کو منظر عام پر لانے کی سمت میں ''بسم اللہ'' کہہ سکتے ہیں اور جو کام بسم اللہ سے ہوتا ہے اس کا انجام ہمیشہ بہتر، پائیدار، مضبوط اور مستحکم ہوا ہے۔

نقوش بسم اللہ کی دو ضخیم جلدیں ہیں۔ پہلی جلد ۶۳۲/ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں شامل مضامین کو آٹھ ابواب اور جلد دوم کے مضامین کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی جلد میں صاحب سوانح کے مکمل حالات، خدمات اور وفات پر علماء و مشاہیر اور معتقدین کے خطوط و تعزیت نامے کو شامل کیا گیا ہے، جبکہ دوسری جلد میں ملک کے مقتدر علماء و بزرگان دین کے خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔

مبارکباد کے مستحق ہیں قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب (مہتمم جامعۃ القراءت کفلیۃ گجرات) جن کی سرپرستی میں مرتب محترم مفتی عبدالقیوم راجکوٹی (معین مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات) نے اس عظیم کارنامہ کو انجام دیا اور مفتی اعظم برما و گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلؒ م ۱۳۷۸ھ سابق صدر مفتی دارالافتاء و مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی سوانح حیات کو ترتیب دیکر شائع فرمایا۔

اچھی بات یہ ہے کہ مؤلف موصوف نے تحقیق کے اس فنی اصول ''تحقیقی مقالہ وہ تحریر ہے جس میں زیر تحقیق موضوع کے متعلق جملہ مواد کو پیش کیا جاتا ہے، پرکھا جاتا ہے اور اس کے بعد مناسب نتائج اخذ کئے جاتے ہیں'' کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ جس

کی وجہ سے صاحب سوانح حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کے مقام و مرتبے اوران کی زندگی اور خدمات کے ایک ایک گوشے کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے قارئین کو اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوگا اور جیسے جیسے آگے بڑھیں ان کے معلومات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

بقول حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی (صدر مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) ''حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ کی شخصیت اپنی خدمات واوصاف اور کمالات کی بناء پر محتاج تعارف نہیں، لیکن وقت کی دبیز چادر ہر چیز پر پردہ ڈال دیتی ہے، یہی معاملہ مفتی صاحبؒ کے ساتھ ہوا۔

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مفتی صاحب کے وصال کے ۵۴/سال ہوگئے، نئی نسل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ عظیم ہستی کون ہے؟ ان کے اوصاف و کمالات کیا ہیں؟ ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کیا ہیں؟ اہالیان جامعہ پران کے کیا احسانات ہیں؟ ان سوالات کے جوابات سے غیر تو غیر خود متعلقین جامعہ بھی واقف نہیں، مفتی صاحب کی سوانح اہالیان جامعہ پر بطور ایک واجب الادا قرض عائد تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ مفتی صاحب کی مفصل سوانح حیات ترتیب کی جائے، عزیزم مولانا مفتی عبدالقیوم راجکوٹی سلمہٗ نے اس ضرورت کی تکمیل فرمادی''۔

نقوش بسم اللہ کی دو ضخیم جلدیں ہیں۔ پہلی جلد ۶۳۲/صفحات پر مشتمل ہے، اس میں شامل مضامین کو آٹھ ابواب اور جلد دوم کے مضامین کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی جلد میں صاحب سوانح کے مکمل حالات، خدمات اور وفات پر علماء ومشاہیر اور معتقدین کے خطوط وتعزیت نامے کو شامل کیا گیا ہے، جبکہ دوسری جلد میں ملک کے مقتدر علماء و بزرگان دین کے خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے وقتاً فوقتاً جامعہ اور دیگر دینی وملی تقاضوں کی مناسبت سے اکابر کی خدمت میں جو عریضہ پیش کیا، دراصل یہ خطوط انہیں کے جوابات ہیں۔ اکابر علماء اور بزرگان دین کے اس قیمتی علمی اثاثے کو نقوش بسم اللہ میں شامل کر کے مؤلف موصوف نے نہ صرف قابل تحسین کام کیا ہے بلکہ ان نایاب خطوط کو محفوظ کر کے ایک نئی زندگی دی ہے جو آنے والی نسلوں پر ان کا احسان عظیم ہے۔

قابل ذکر ہے کہ جن علماء کے یہ خطوط ہیں وہ سب کے سب چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں، مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اور حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ افغانی شامل ہیں۔

ایسی ہمہ گیر علمی و مذہبی شخصیات کے نامہ ہائے گرامی کو نقوش بسم اللہ میں جگہ دے کر مؤلف نے واقعی قابل رشک کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے لئے اہل علم ہمیشہ ان کے ممنون و مشکور رہیں گے۔ کتاب کی طباعت، کمپوزنگ اور اشاعت میں معیار کا کامل خیال رکھا گیا ہے، سرورق دیدہ زیب و پرکشش ہے، جس کے لئے ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

نقوش بسم اللہ دینی و ملی خدمات انجام دینے والی شخصیات، علما کرام اور طلبہ مدارس کیلئے انتہائی مفید اور کارآمد ہے۔

(9891763977)

❁ ❁ ❁

نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ عارفؔ، مہتمم دارالعلوم دیوبند

تو ہے وہ نقطۂ انوارِ فیضانِ خداوندی
کہ جس سے نور ساماں ہے فضائے بزمِ امکانی
بنے اگلے نبی تجھ سے ہوئے پچھلے ولی تجھ سے
ترے ہی فیض سے ارزاں ہوئی شاہوں کو سلطانی
مقاماتِ عروجِ روح تم سے ہیں نہ تم ان سے
ہے سورج سے روشن اور شعاعیں اس سے نورانی
نبوت ہی نہیں ختمِ نبوت کے ہو تم حامل
ستارے انبیاء ہیں اور تم ہو مہرِ نورانی
زمینی طاقتوں کا منتہا ہے ایٹمی ذرہ
خدائی طاقتوں کا منتہا ہے ذاتِ نورانی
کمالاتِ نبوت ختم ہیں ذاتِ مقدس پر
نہ ہو ختمِ زمانی کیوں نہ پھر طغرائے پیشانی
براقِ برق پاتختِ رواں تھا ذاتِ اقدس کا
قدم کیا لیتا آکر منجمد تختِ سلیمانی



قابل احترام مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا! میں آپ کے رسالہ 'ماہنامہ معارف قاسم جدید' کے توسط سے ایک اہم مسئلہ کی جانب حکومت بہار کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ جناب والا بھی اقلیتی امور کے وزیر شاہد علی خان اور انتظامیہ کے دیگر حکام کے سامنے اس مسئلہ پر بات چیت کریں گے۔

عام لوگوں کو تعلیم سے جوڑنے کیلئے ایک طرف جہاں حکومت نت نئی کوشش کرتی ہے، فاصلاتی تعلیم کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایجوکیشن سے قریب لانے کیلئے منصوبے بناتی ہے۔ بہار مدرسہ بورڈ، اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اور نیشنل اوپن اسکولنگ کے قیام کا مقصد ہی یہی ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے یا اعلی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر پورا وقت نہیں دے سکتے ایسے لوگ آسانی سے اپنی آگے کی تعلیم ان اداروں کے ذریعہ جاری رکھ سکیں۔ اس کیلئے ہر ریاست کے مختلف اضلاع میں ریجنل سینٹر اور سینٹر بنایا گیا ہے۔ ان سینٹروں پر امتحانات ہوتے ہیں، مگر سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو سینٹر کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ ان کے اندر بدعنوانی کی لت اس قدر عام ہوگئی ہے کہ فارم بھرنے سے لیکر امتحانات تک امیدواروں سے روپے لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ زیادہ تر سینٹروں پر منتظمین پریشان کرتے ہیں اور بغیر لئے دیے کوئی کام نہیں ہوتا۔ جب اس قسم کے سینٹر کے قیام کا مقصد ہی غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی مدد کرنا ہے تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ 'روپے دو تو کام ہوگا ورنہ نہیں'۔ ان سینٹر کے ذمہ داران کو دوسری قوم کے لوگوں سے سبق لینا چاہئے جو اپنی قوم کے بچوں کو آگے بڑھانے کیلئے ہر طرح کی مدد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر قوم کے لوگ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں اور مسلمان ترقی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میری آپ سے التماس ہے کہ اس سلسلہ میں انتظامیہ سے شفافیت کیلئے دباؤ بنایا جائے۔ میں معارف قاسم جدید کی دن دونی ترقی اور آپ کی صحت کیلئے باری تعالی سے دعا گو ہوں!

سید نقی احمد

ہرپور بیشی، اورائی مظفر پور بہار

مکرمی ایڈیٹر صاحب

سلام مسنون!

معارف قاسم جدید کا ''قرآن کریم نمبر'' کئی مہینوں بعد ایک دوست کے ذریعہ ملا، اس خصوصی شمارے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہم نے اسے اپنی لائبریری میں محفوظ کرلیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عظیم کام کے لئے ماہنامہ معارف کے تمام کارکنان کو اجر سے نوازے۔ آمین

محمد عثمان

ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی

معزز قارئین کرام! آپ کو یہ شمارہ کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔ اپنے مشورے ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com

جمعية الإمام قاسم التعليميه الخيريه الاسلاميه الهند

امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا ایک دینی، اصلاحی، اور فلاحی ادارہ ہے، جو شمالی بہار میں متحرک اور فعال ہے۔ ہندوستان کی ریاست بہار کے شمال مشرقی علاقہ کوسی اور پورنیہ دو مشہور کمشنریاں ہیں جو سات اضلاع پر مشتمل ہیں، یہ علاقہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک طرف نیپال کی لمبی سرحد ہے تو دوسری طرف شمال مشرقی ہند کی ریاستوں اور بنگلہ دیش کی سرحد ملی ہوئی ہے اس علاقہ میں تقریباً ۵۰/ لاکھ مسلمان آباد ہیں جو تعلیمی، معاشی اور سیاسی طور پر انتہائی پسماندگی کا شکار ہیں، مسلمانوں کی معاشی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت تو دور ان کی صحیح طریقہ سے کفالت کی بھی سکت نہیں رکھتے اور قبائلی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان حالات کا ادراک کرتے ہوئے جمعیۃ کے ماتحت مکاتب ومدارس کا قیام، دینی واصلاحی پروگرام، مسلمانوں کی شعوری وفکری تربیت اور مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

الحمد للہ اس وقت 85 مکاتب کام کر رہے ہیں، ضلع سُپول میں بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے ''معہد عائشہ صدیقہ''، ''شیخ زکریا چیری ٹیبل ہاسپٹل''، ''مولانا آزاد اسکول اینڈ ٹیکنیکل سینٹر'' اور دینی ماحول میں انگلش میڈیم اسکول کا قیام زیر منصوبہ ہے۔ ان منصوبوں کی تکمیل کی لاگت کا تخمینہ تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ روپے ہے۔ اس کے علاوہ امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا اس علاقے کے معاشی طور پر کمزور، معذور افراد کی مدد اور یتیم بچیوں کی شادی، حادثات وآفات سے متاثرین کیلئے راحت و ریلیف کا نظم بھی کرتا ہے۔

مدارس کے غریب اور نادار فضلاء کے لیے جو کالجز اور یونیورسٹی میں داخلے کے خواہش مند ہیں، حتیٰ المقدور وظائف کا نظم کرتا ہے۔ ان سب منصوبہ جات پر عمل درآمد کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے، جو آپ حضرات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں، خاص کر ۱۱/ستمبر کے بعد مسلمانان ہند جس طرح کے حالات سے دوچار ہوئے ہیں اس پس منظر میں اہل ثروت اور تعاون کا جذبہ رکھنے والے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر دست تعاون دراز کریں، تاکہ آپ کے تعاون سے یہ عظیم کام انجام پا سکے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے اور تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔ آمین

الداعیان

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سکریٹری جنرل
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا

(مولانا) نسیم احمد مظاہری
صدر
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا

بانی ومہتمم، جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار

اگر آپ چاہتے ہیں کہ:

• ہمارے گھروں میں دین کی باتیں ہوں! • مجالس اور لوگوں کی زبان پر ہمیشہ اصلاحی باتوں کا تذکرہ ہو! عوام وخواص میں ہمیشہ اصلاح کی فکر لاحق ہو! • پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ، تعلیمات نبوی اور اسلاف کی پاکیزہ روایات سے معاشرہ کو روشناش اور اس کے تئیں بیداری پیدا کی جائے۔

تو آئیے! ان مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' کی علمی وفکری بیداری مہم میں شامل ہوجایئے۔

ممبر بن کر اور بنا کر

اس عظیم مہم کو کامیاب بنانے میں معاون بنیں

یقیناً آپ کا تعاون ''معارف قاسم جدید'' کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔

ہندوستان میں سالانہ زرتعاون صرف 200/ روپے اور بیرو ممالک میں 70/ ڈالر

اس کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل طریقہ سے بھی تعاون کر سکتے ہیں

- اہل خیر حضرات کو اشتہار کی طرف توجہ دلائیں۔
- اپنی جانب سے علاقے کے بااثر حضرات، دینی اداروں، ملی تنظیموں اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔
- معارف قاسم جدید میں کاروباری اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
- ممبر سازی کے لیے جو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کا بھرپور تعاون کریں۔
- پانچ آدمیوں کو ممبر بنا کر اپنا ایک سال کے لیے رسالہ مفت جاری کرائیں۔

یقین ہے کہ ہمارے قارئین کا پرخلوص تعاون ہمیں برابر حاصل رہے گا۔ انشاء اللہ۔

خط وکتابت: ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' این 93/ سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر ۲، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔ 110025

ممبرشپ فارم

جس مدت کے لیے ممبرشپ چاہئے اس کے سامنے صحیح نشان لگائیں

☐ سالانہ فیس .....(200/-)

☐ دوسال کے لیے .....(400/-)

☐ تین سال کے لیے.....(600/-)

☐ تاحیات .....(10,000/-)

نام: ..... ولدیت: .....

مکمل پتہ:.....

ملک: ..... پن کوڈ: .....ٹیلیفون نمبر:.....

عمر: ..... پیشہ:.....

معارف قاسم جدید کی ممبرشپ کے لیے ہے۔

منی آرڈر/ چیک/ڈرافٹ نمبر:.....تاریخ:.....

بذریعہ:.....روپئے:..... بھیج رہا ہوں/رہی ہوں۔

نوٹ: یہ شرح صرف ہندوستان کے لیے ہے۔

چیک/ڈرافٹ ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' دہلی کے نام سے بنوائیں۔

برائے مہربانی اس فارم کو بھر کر ڈاک سے معارف قاسم جدید این 93 دوسری منزل، لائن ۲، سیلنگ کلب روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵ کے پتہ پر ارسال کریں۔

نرخ اشتہار

آخری ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	4,000/-
اندرونی ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	3,000/-
مکمل صفحہ	(اندرونی، بلیک)	1,500/-
آدھا صفحہ	//	1000/-
چوتھائی صفحہ	//	500/-

مطبوعات جامعہ

نام کتاب	مصنف	مرتب
مقامات مقدسہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
زکوٰۃ اور اس کا مصرف (اردو/انگریزی)	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
خطبہ حجۃ الوداع (اردو/انگریزی)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قاضی مجاہد الاسلام حیات وخدمات نمبر	مدیر اعلیٰ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سیرت النبی نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم پرسنل لا نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
پیام انسانیت نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
رمضان کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قرآن کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجاہد کی للکار	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی حقیقت (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
ہندوستان میں مدارس اسلامیہ (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور امن وآشتی، اردو/انگریزی (زیر طبع)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قادیانیت کی حقیقت (اردو/انگریزی/ہندی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجموعۂ رسائل حضرت علامہ نور محمد خان ٹانڈویؒ		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (زیر طبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
راہ عمل (زیر طبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ذکر اقائماً (20ویں صدی کے علماء گجرات کی علمی، دینی خدمات)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
دینی مدارس ماضی، حال اور مستقبل تقاضے، چیلنجز اور ان کا حل		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانیوں کو غور وفکر کی دعوت		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
متاع زندگی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جہد مسلسل، تحریکات، خدمات		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
محمد رسول اللہ کے بعد کوئی نبی نہیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
قادیانیت منظر اور پس منظر	حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	
چند نامور علماء	حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی	عبدالقادر شمس قاسمی
قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں!		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا (اردو، ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
ایمان اور کفر کی حقیقت (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت کے متعلق علمائے اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
قادیانی تحریروں کی روشنی میں قادیانیوں کی سیاسی وسماجی پوزیشن		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں (ہندی)		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
تحریک تحفظ ختم نبوت اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
کوسی کا تباہ کن سیلاب اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		(رپورٹ) شاہ جہاں شاد
شجرۂ طیبہ		مولانا محمد شاہد قاسمی
منہاج الصالحین یعنی تحفۂ متسابقین		مولانا مجتبیٰ بن احمد لولات رویدروی
المذاکرۃ التفسیریۃ یعنی تحفۂ مسابقات		مفتی عبدالرحیم فلاحی

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلّات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔